سلامِ رضا تضمین و تفہیم اور تجزیہ

پروفیسر مُنیر الحق کعبیؔ بہل پوری

تضمین و تفہیم اور تجزیہ

سلامِ رضاؔ

ایک تحقیقی، تنقیدی، لسانی و عروضی جائزہ

پروفیسر مُنیر الحق کعبی بہلپوری

زُجاج پبلی کیشنز ـــــ گجرات

جملہ حقوق محفوظ بحق مصنف

طبع اول

جولائی 1995 ء

صفر المظفر ۱۴۱۶ھ

ناشر

زبیدہ منیر

☆

طابع

شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی :

محمد اسلم مرزا - بالمقابل ریکس سینما گجرات

☆

قیمت

120 روپے

☆

زجاج پبلی کیشنز

گڑھی احمد آباد ــــــــــــــ گجرات (پنجاب) پاکستان

بنامِ آنکه جان را فکرت آموخت
چراغِ دل به نورِ جان برافروخت
(محمود شبستری)

غرّهٔ افکار و دانش ، نخوتِ علم و فنون
استعیذاللہ مِن شیطانِ مردود و رجیم
(کعبی)

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو جو میری نسبت سے بے مایہ' اور حقیقت میں سرمایہ، سیدی وسندی و مرشدی' والدِ گرامی حضرتِ علامہ حکیم محمد عظیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) ابنِ حضرت مولوی احمد دین قدس سرہ العزیز' فاروقی، قادری، اویسی، بہلپوری ثم گجراتی، کے نام معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

☆ جن کی علم و فن سے بے پناہ محبت نے مجھے علم و ادب سے دلچسپی عطا کی۔

☆ جن کے جذبۂ حبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایمان کی حلاوت و استقامت عطا فرمائی۔

☆ جن کے طفیل مجھے بھی حضور غوث الاعظم سیّدنا شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بندگی کا شرف حاصل ہوا۔

☆ جن کی روحِ پُرفتوح نے ہر مشکل مقام پر عقدہ کشائی فرمائی۔

☆ جن کے اندازِ نقد نے بے لاگ تنقید کا حوصلہ بخشا۔ اور۔۔۔۔

☆

خود زیست میں جو دشت و بیاباں کی طرح تھا
وہ میرے لئے کُنجِ گلستاں کی طرح تھا

پڑنے نہ دی خورشیدِ حوادث کی کبھی دھوپ
وہ زیرِ فلک ، خیمۂ سلطاں کی طرح تھا

وہ علم کا خاموش سمندر تھا ، مگر دل
اسرار سے پُر ، سینۂ پاکاں کی طرح تھا

ضوریز تھے انوارِ خدا اس کی جبیں میں
وہ رحمتِ حق ، سایۂ یزداں کی طرح تھا

وارفتہ رہا عشقِ رسالت میں ہمیشہ
اس حال میں آشُفتہ غزالاں کی طرح تھا

آدابِ شریعت پہ پڑی جب بھی کوئی زد
دیکھا تو وہ اک ضیغمِ غضباں کی طرح تھا

مَیں حسن کی تجلّی کا ہوں اک ادنٰی سا پرتَو
وہ صورتِ جاں ، مہرِ درخشاں کی طرح تھا

پاک شمائل حکیم مُحَمَّد عظیم فاروقی (بہلپوری)

۱۹۹۱

چل دیے آہ چھوڑ کر دُنیا

آج اِک عاشقِ رسُولِؐ انام !!

کہیئے مہجورؔ سالِ رحلت پر

تھے "مُحَمَّد عظیم والا کرام"

۱۴۱۱ھ

(نتیجۂ فکر سید عارف محمُود مہجورؔ رضوی

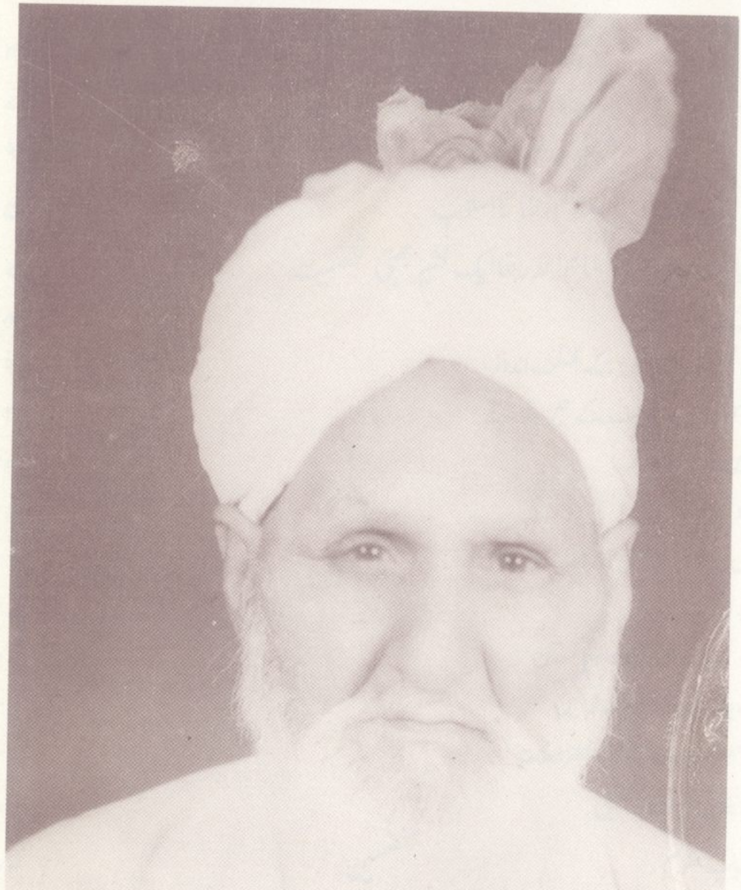

بساطِ منیر

ابتدائیہ	کعبی بہل پوری	١٣
تعارف	سید عارف محمود مہجور رضوی	١٧
تقریظ	سید نور محمد قادری	١٩
☆ بابِ اول	سلامِ رضا کا اسلوب	٢۵
☆ بابِ دوم	امام احمد رضا ایک کثیر جہتی شخصیت	٢٧
▫ ناشرینِ کلام رضا		٢٨
ترمیم و تحریف اور اس کے مختلف انداز		٢٩
خوانِ رحمت میں تحریف کے تین طریقے		٣٣
بشیر حسین ناظم کا تعارف		٣۴
فتنہ فراموش		٣۵
▫ فاضل بریلوی کا اصل کارنامہ		٣۶
اقبال پر اثرات		٣٧
بریلوی تحریک اور قراردادِ پاکستان		٣٨
تحریک پاکستان کی مخالف قوتیں		٣٨
▫ اعلیٰ حضرت کے کلام پر اعتراضات		۴٠
فاضل بریلوی کی دادِ تحقیق		۴١
☆ بابِ سوم	تضمین	۴۴
تضمین کیا ہے؟		۴۴
تضمین کی ابتدا		۴۴
تضمین کی غرض و غایت		۴۴
تضمین کے مختلف انداز اور متنوع صورتیں		۴۵
اقبال کا اندازِ تضمین		۴۵
تضمین سے شرح و تفسیر کے مقاصد		۴۶
تضمین میں زیرِ تضمین متن تبدیل نہیں ہوتا		۴٧

بیان ویزدانی میرٹھی کی تضمین	۴۸
مرزا سہارنپوری کی تضمین	۴۸
شاہ ابوالشرف مجددی کی تضمین	۴۸
غزل اور نعت کی تضمین میں فرق	۴۹
نعتیہ تضامین	۴۹
تضمین میں ناکامی	۵۲
سلام رضا کے متن میں تحریف	۵۴
ناظم کو حفیظ تائب کی اشیرباد	۵۴
اعلیٰ حضرت کے کلام میں فنی نقص کا انکشاف	۵۵
متن میں تبدیلی کا طریقِ کار	۵۸
رباعی ایک مشکل صنفِ سخن	۵۸
رباعی پر اعلیٰ حضرت کی گرفت	۵۹
عروضی تسامحات	۵۹
غالب	۵۹
صبا شاگردِ آتش	۶۰
ریاض خیر آبادی	۶۰
سیماب اکبر آبادی	۶۰
جوش ملیح آبادی	۶۱
سلام رضا کے بعض مصرعوں پر فنی اعتراض	۶۳
ناظم کی بے چارگی	۶۳
سلامِ رضا۔۔۔عروضی جائزہ	۶۶
اصلی وزن	۶۶
عروض وضرب	۶۷
مطلع کا وزن	۶۷
مصرعوں کا عروضی شماریاتی جائزہ	۶۷
مزعومہ فنی نقص کے حامل مصرعے اور ان کی تقطیع	۶۸
سلام رضا میں کوئی فنی نقص نہیں	۶۹
ناظم پر غلام مصطفیٰ امجدی کے اعتراض کی نوعیت	۶۹

حوالہ جات ۷۱

☆ باب چہارم تضمین بر سلامِ رضا۔۔۔۔ایک جائزہ ۷۵

شرحِ سلام رضا۔ مفتی محمد خاں قادری کا تعارف ۷۵

شیخ الجامعہ کی شعر فہمی سے معذوری ۷۶

شیخ الجامعہ کی قرآن سے بے اعتنائی ۷۷

شیخ الجامعہ کا غلط استنباط ۸۰

"گلِ باغِ رسالت" میں ناظم کی ترمیم ۸۲

حضور علیہ التحیۃ والثنا کی جلالت ۸۳

نقطہ سر وحدت ۸۷

مفتی محمد خاں قادری اور لغت آشنائی ۸۹

بودو. بہبود و تخم وجود یا. بہبودِ تخمِ وجود ۹۰

بابِ فتح نبوت یا فتحِ بابِ نبوت ۹۳

سرغیبِ ہدایت یا بدایت ۹۶

کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کائناتِ شقا کہنا درست ہے؟ ۹۸

سلام رضا میں سراپا نگاری ۱۰۳

جدید نعت ۱۰۵

ابر رحمت یا ابر رافت ۱۰۶

حوالہ جات ۱۰۷

شانہ کرنے کی حالت یا عادت ۱۱۱

چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال یا موج نور جمال ۱۱۲

رگِ ہاشمیت ۱۱۳

نصرت و رعبِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۳

ہیبت و جلالِ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۱۳

جبینِ سعادت یا شفاعت ۱۱۴

سلام رضا کے ایک شعر پر مختلف تضامین ۱۱۵

گُل تَن یا گُل بَن ۱۱۸

نمک آگیں ترکیب۔ عروضی ولسانی بحث ۱۲۲

سبزہ نہرِ رحمت ۱۲۶

شیر و شکر یا شیر و سحر ۱۳۱
کلاسیک کی خصوصیات اور حدایق بخشش ۱۳۲
حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل۔ مختلف ترامیم اور ان کا مطالعہ ۱۳۵
موجِ نورِ کرم یا موجِ کرم نور کی ۱۳۹
کمر کی سایہ گستری ۱۴۱
برکاتِ رضاعت یا انتقائے رضاعت ۱۴۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی بھائی۔۔۔ تفصیل ۱۴۴
راز گرم یا روز گرم ۱۴۷
گرمئ شانِ سطوت یا شان و شوکت ۱۴۸
حسنِ مجتبیٰ یا وہ حسن مجتبیٰ ۱۵۱
منزل منْ قَصَبْ ۱۵۳
ازواجِ مُطہرات کی معاشرت ۱۵۵
اس سرادق یا ان سرادق ۱۵۵
قطبِ ابدال یا قطب و ابدال ۱۶۰
قطبِ ارشاد ۱۶۱
رحمت میں دعویٰ یا رحمت پہ دعویٰ ۱۶۶
حوالہ جات ۱۶۹
☆ حرفِ آخر ۱۷۴
ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا نوازش نامہ ۱۷۴
راقم کا عریضہ ۱۷۴
شمس بریلوی کی مرتبہ حدایق بخشش پر ایک نظر ۱۷۵
انتخاب حدایق بخشش مرتبہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد پر ایک طائرانہ نظر ۱۸۳
حوالہ جات ۱۸۶
کتابیات ۱۸۷
قطعہ تاریخ ۱۹۳
آنکس کہ گفت قصہ ماہم زما شنید ۱۹۴

مرنج از من اگر نبود کلامم را صفا، غالب
خمستانِ غبارم سر بسر دردیست سر جوشم

مَاحلقہ بگوشِ سُخنِ عشق و جُنونیم

زندگی، دو سال قبل، متنوع اسالیب و مسالک پر گامزن تھی کہ محبتوں کا وہ شیرازہ جو مختلف خیابانوں میں منتشر تھا، ایک حسین و جمیل نام پر آ کر مجتمع ہونے لگا۔ یہ تو نہیں کہ میں اس نام سے ناشناسا تھا۔ لڑکپن ہی سے اس نام کی مٹھاس کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اس کی تحریریں خاص کر شاعری بصیرت و بصارت کو طراوت بخش رہی تھی۔ والدِ گرامی کی وساطت سے اس نام اور اس کے منتسبین سے ایک خاص انسیت تحت الشعور کی سطحِ زیریں میں جاگزیں ہو گئی اور لاشعور میں بسرام کرنے لگی۔ گاہ گاہ منزلِ شعور میں آ کر ایک تموّج پیدا کر دیتی اور ہوائے شوق اس سمت لے چلتی۔ سالوں سے یہ سلسلہ جاری تھا اور اس نام سے محبت ایک خاص نوع اختیار کر گئی۔ وہ وقت بھی آیا کہ علم و ادب میں زیادت و اضافت نے بجبر تحریر سے شغف پیدا کر دیا۔ بوقلموں عنوانات پر خامہ فرسائی ہوتی رہی۔ محبتوں میں اس عجیب تنوع سے حمد، نعت، غزل، تحقیق، تنقید غرض سبھی کچھ مملکتِ قلم میں نظم و نثر کی دسترس میں آتا گیا۔

زیرِ نظر، مقالہ، فاضلِ بریلوی اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ خاں کی شاعری کے محض ایک قصیدہ "سلامیہ" سے متعلق ہے۔ خدا بھلا کرے بشیر حسین ناظم کا، جس نے تضمین لکھی اور اعلیٰ حضرت کے کلام کو ترمیم و تحریف کا ہدف بنایا۔ حضرتِ حفیظ تائب نے مصرعوں میں فنی نقص تلاش کیا اور ناظم کی جسارت کی مدحت فرمائی۔ تائب اچھے انسان ہیں مگر

وَ مَنْ یَّجْعَلِ الْمَعْرُوفَ فِیْ غَیْرِ اَھْلِہٖ

یَکُنْ حَمْدُہٗ ذَمًّا عَلَیْہِ وَ یَنْدَمِ

(زہیر بن ربیعہ)

(جو شخص کسی غیرِ اہل کے ساتھ احسان کرے اس کی اچھی بات بھی قابلِ مذمت ہوگی، اور وہ اپنے کیے پر نادم ہوگا)

کچھ یہی صورت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ پیش آئی۔ انہوں نے ناظم کی مساعی کی داد دی اور مذکورہ شعر کا حال بن گئے۔ حفیظ، معروف نعت گو، محقق اور نقاد تھے، ان کے لفظوں نے بڑا اثر کیا۔ ان کی تنقیصِ کلامِ رضا سے ایک خاص اندیشہ اور خوف ابھرا اور ایک گمرہی سر آغاز ہوئی۔ کاروباری حضرات سادہ لوح عوام کو اس محبت کے نام پر جو انھیں فاضلِ بریلوی سے تھی، استحصال کا نشانہ بناتے رہے۔ ناشر اور مرتّب حضرات (اعلیٰ حضرت بریلوی کو، شاید، خود سے کم علم جان کر) اپنی مرضی سے آزادانہ، کلامِ رضا کو تغیرّ و تبدّل کے عمل سے گزارتے رہے اور تحسین ناشناس سے قبولیتِ عامہ کا طغرائے امتیاز پا کر نام و نمود و زر میں اضافہ کرتے رہے۔ ہمیں سخن فہمی اور حرف شناسی کی جو تھوڑی بہت دولت ودیعت ہوئی تھی اس نے مجبور کر دیا۔۔۔۔۔اور

اَنْکَرْتُ بَاطِلَهَا وَ بُوْتُ بِحَقِّهَا
عِنْدِیْ فَلَمْ یَفْخر عَلَیَّ کِرَامُهَا

(حضرت لبید بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ)

(میں نے ان کی غلط باتوں کا انکار کر دیا اور ان کی حق بات کا اقرار کیا اور اچھے آدمی بھی مجھ پر فخر نہ کر سکے)

اور تنقید میں یہی ہوتا ہے اچھے جملوں اور باتوں کو صرفِ نظر کر دیا جاتا ہے اور تلخ مگر حقائق پر مبنی اظہار کو کدورت کی طرح دل میں بٹھا لیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال میں اس مقالہ پر قدرے توقّف سے مسلسل مشقت اٹھائی۔ اس میں بہت سے ایسے مقامات بھی آئے جب ہماری سوچ کے سوتے بند ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ہماری تمام فکر و دانش نے مکمل تعطل کا اعلان کر دیا۔ اس وقت بارگاد ایزدی میں رہنمائی کی دعا مانگی اور صد شکر کہ رَبُّ العزت نے ہم پر تفہیمِ معانی و مطالب کے ابواب وا کر دیے۔

مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں سلامِ رضا کے اسلوب پر مختصر اردشنی ڈالی گئی ہے۔ باب دوم میں ترمیم و تحریف کے حربوں کی بات ہے، فاضلِ بریلوی کے کارناموں کا ذکر ہے۔

ان کے کلام پر اعتراضات اور فاضلِ بریلوی کے مُسکِت جواب ہیں۔ باب سوم میں تضمین پر سیر حاصل بحث ہے۔ سلامِ رضا کا عروضی مطالعہ ہے، اسی میں سلامِ رضا کے تمام مصرعوں کا عروضی جائزہ ہے اور شماریاتی انداز میں۔ چہارم سلام رضا کے ان مقامات سے بحث ہے جہاں ترمیمی و تحریفی عمل روا رکھا گیا ہے اس میں بہت سے علوم سے متعلق مباحث آ گئے ہیں۔ آخر میں شمس بریلوی کی مرتبہ حدایقِ بخشش کی اولیں نظموں میں سے دو نظموں اور "انتخابِ حدایقِ بخشش" مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔

سخن باشد دلیلِ زندگی روشن خیالاں را
غم مُردن ندارد شعلۂ ما تا زباں دارد

مقالہ کی تدوین کے دوران بہت سے احباب ممد و معاون ہوئے خاص کر سید عارف محمود مہجور رضوی جن کی تحریک ہی اس مقالہ کا باعث ہوئی۔ مولانا جلال الدین قادری (کھاریاں) سے شرف ملاقات و گفتگو رہی۔ حامد حسن سید سے ادب کے حوالہ سے بحث چلتی رہی۔ ریاض مفتی نے چند اوراق کا مطالعہ کیا اور ہمت افزائی کی۔ سب سے بڑھ کر محترم پیرزادہ اقبال فاروقی اور حکیمِ اہلِ سنت جناب محمد موسیٰ امرتسری کے ہاں کی نشستیں بڑی کار آمد ثابت ہوئیں، سید نور محمد قادری ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محبت سے اس پر تقریظ لکھی اور کچھ مزید انکشافات فرمائے۔

ان حضراتِ گرامی کے علاوہ ہمارے اپنے رفقار اور تلامذہ بھی شریکِ معاونت رہے، ان میں پروفیسر افتخار الدین طارق راٹھور سے الفاظ و معانی کی مختلف دلالتوں پر بکثرت گفتگو رہی، منصور امین، شاگرد بھی، دوست بھی، جو ایک فرد ہی نہیں، تحقیق و تنقید کا نام ہے، واقعتاً نایاب کتابوں کا امین و منصور ہے۔ محض کتب ہی نہیں ان سے اعلیٰ حضرت کی ملّی، سیاسی، فکری، شعری اور ادبی خدمات پر سلسلۂ کلام جاری رہا اور منصور کی بات چیت کا ماحصل ہمارے لئے مہمیز ثابت ہوتا رہا۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید کہنے کو تو تاریخ و سیاست کے استاد ہیں مگر ان کا ادبی ذوق بھی نہایت شُستہ و رُفتہ ہے اور پروفیسر کلیم احسان بٹ (گولڈ میڈلسٹ) جو تلمیذ بھی ہیں، رفیق بھی اور عزیز بھی، کی اعانت بہر قدم شامل رہی۔ خان لیاقت حیات خاں درانی لائبریرین زمیندار کالج نے کتب کی فراہمی میں کبھی بخل سے کام نہ لیا۔ نیلم رشید، شعبۂ انگریزی کے ہم خاص طور پر ممنون ہیں کہ انہوں نے مصروف ترین لمحات میں سے ہمارے

لئے وقت نکالا اور حوصلہ فرسا مقامات پر ہماری قندیلِ فکر و تجسس کو روشن رکھا اور یہ مقالہ تدوین کے آخری مراحل طے کر سکا۔ کاظمہ منیر ہماری ننھی منھی بیٹی نے اس دوران میں جس حسن و خوبی سے خدمت بر آری کی، ہم اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ آخر میں ہم محمد اسلم مرزا کے مشکور ہیں جن نے نہایت محنت و محبت سے اس مقالہ کو طباعت کے قابل بنایا۔

فَمَا مَاتَ مَنْ خَيْرُهُم وَاصِل
وَ مَا غَابَ مَن ذِكْرُهُم حَاضِر

پروفیسر منیر الحق کعبی بہلپوری
شعبۂ اردو
گورنمنٹ زمیندار پوسٹ گریجوایٹ کالج گجرات

۴ جون ۱۹۹۵ء
گڑھی احمد آباد
گجرات، پنجاب (پاکستان)

فاضل بریلوی امام احمد رضا خاں پر
مصنف کی زیرِ ترتیب کتب

1- فاضل بریلوی اور دیگر نعت گو شعرا
2- فاضل بریلوی کی شاعری کا پس منظر
(علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، فکری، فقہی و صوفیانہ)
3- حدائق بخشش اردو نعت کا ایک عظیم کلاسیک
4- فاضل بریلوی کے کلام میں صنائع بدائع کا استعمال
5- حدائق بخشش (اول و دوم) کا مکمل عروضی اور شماریاتی جائزہ
6- فاضل بریلوی کی اردو قصیدہ نگاری
7- کلیات رضا بریلوی، ترتیب نو کے ساتھ (اردو، فارسی)

تعارف

مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کے شہرہ آفاق قصیدہ سلامیہ "مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" پر جناب بشیر حسین ناظم کی تضمین "خوانِ رحمت" منظرِ عام پر آئی تو میرا ابتدائی تاثر یہی تھا کہ یہ تضمین اس گرانقدر روایت کا تسلسل ہو گی جس کا آغاز حضرت اختر الحامدی علیہ الرحمۃ کی بے مثل تضمین "بہارِ عقیدت" سے ہوا تھا مگر بصد افسوس یہ بات کہنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ "خوانِ رحمت" کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد میرا یہ تاثر دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ جناب حفیظ تائب کی پیشوائی میں ناظم صاحب نے "اصلاحِ سلامِ رضا" کے جس ناروا کام کا آغاز کیا ہے اس پر پہلا تحریری احتجاج خود مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ پاکستان کے ترجمان ماہنامہ "جہانِ رضا" بابت ماہ مارچ ۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ بے شمار خطوط و مضامین بھی اس جائز ردِ عمل میں برابر کے شریک ہیں جو آج تک مرکزی مجلسِ رضا کو جنابِ ناظم کی سرتابیِ قلم کے خلاف موصول ہوئے۔

پیشِ نظر کتاب اس سلسلہ میں سب سے وقیع اور جامع کوشش قرار دی جا سکتی ہے۔ محبانِ رضا کو فاضل مصنف کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس احقر کی تحریک پر نہایت کدو کاوش سے "خوانِ رحمت" کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لے کر "سلامِ رضا" کے علمی رتبہ، ادبی محاسن اور شعری قدو قامت کا ہر لحاظ سے دفاع کیا ہے جنہیں بشیر حسین ناظم نے اپنی "علمیت" کے بل بوتے پر دھندلانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ آئندہ صفحات کا مطالعہ یقیناً میری اس بات کی صداقت پر شہادت دے گا۔

فاضل مصنف پروفیسر منیر الحق کعبی بہل پوری کا نام گجرات کے علمی، ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ ماہنامہ "زجاج" ایک عرصہ تک انِ کی زیرِ ادارت پروان چڑھتا رہا ہے جس کی وساطت سے ان کی تخلیقی کاوشیں اربابِ علم و دانش کے درِ فکر و نظر پر دستک دیتی رہی ہیں۔ "رگِ خواب" کے نام سے انِ کا مجموعۂ غزلیات ۱۹۹۲ء میں منظرِ عام پر آ کر محفلِ شعر و سخن میں ایک حسین اضافہ کا باعث بنا۔ حمد و

نعت کے مجموعے بالترتیب "للہ الحمد" اور "تیرا وجود الکتاب" کے خوشنما عنوانات کے زیرِ سایہ منتظرِ طباعت ہیں۔ "حدایقِ بخشش، اردو نعت کا عظیم کلاسیک" ترتیب دے چکے ہیں۔ ان دنوں حضرت رضا بریلوی کا معاصر شعراء سے تقابلی جائزہ کمال محنت و جستجو سے ترتیب دے رہے ہیں جو اس ضمن میں یقیناً نئی معلومات فراہم کرے گا۔ اس کے علاوہ دیگر علمی و ادبی موضوعات پر ان کے دسیوں مضامین و مقالات اشاعت کیلئے پر تول رہے ہیں خدا کرے یہ جلد از جلد منصۂ شہود پر آئیں تاکہ اہلِ فکر و نظر ان کے مطالعہ سے اپنے افکار کا قبلہ درست سمت میں متعین کر سکیں۔

سید عارف محمود مہجور رضوی

الشریف۔ علی پورہ روڈ گجرات

تقریظ

ہر نابغہ (Genius) کو جہاں اپنے ہم عصروں اور عقیدت مندوں سے عزت و احترام ملتا ہے وہاں مخالفین اور بعض ناعاقبت اندیش اپنوں کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا ہے ان پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے لیکن وہ اپنے عظیم مشن میں منہمک رہے اور مسلمان قوم کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے وہ کچھ کیا جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار بھی ان مصلحین اور فاضل ترین اصحاب میں ہوتا ہے جو غیروں کی مخالفت اور اپنوں کی بے حسی اور غفلت کا شکار رہے ہیں اور اب بھی ہیں اس وقت چند ایسے حضرات ہمارے درمیان موجود ہیں جو یوں تو اپنے کو اعلیٰ حضرت کا عقیدت مند اور غلام کہتے ہیں لیکن ان کے علمی و ادبی مقام کے وقار کو کم کرنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ان میں سے دو اصحاب کی نشاندھی جناب پروفیسر منیرالحق کعبی صاحب نے زیرِ نظر مفصل مقالہ میں کی ہے اور وہ ہیں جناب شمس بریلوی صاحب اور بشیر حسین ناظم صاحب اور لطف یہ ہے کہ محترم و مکرم جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب اور مشہور نعت گو جناب حفیظ تائب صاحب دانستہ یا نادانستہ ناظم صاحب کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ سب سے پہلے جناب شمس بریلوی صاحب کے تحقیقی مقالہ "کلام حضرت رضا کا ادبی و تحقیقی جائزہ" کی اصل حقیقت کو واضح کیا جاتا ہے اور وہ یوں ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ کے ایک صاحبِ ذوق اور صاحبِ دل عقیدت مند جناب قاضی حمایت اللہ صاحب (م ۱۹۷۴ء) ایک مفصل مقالہ جناب اعلیٰ حضرتؒ بریلوی کے محاسن و فضائل شعری پر لکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کا خاکہ بھی بنالیا تھا اور دس ابواب پر مشتمل عنوانات بھی مقرر کر لئے تھے۔ لیکن وہ مسلسل خرابیِ صحت کی بنا پر اس مقالہ کو مکمل کرنے سے معذور ہو گئے تو انہوں نے اس مقالہ کو پایۂ

تکمیل تک پہنچانے کے لئے جناب شمس بریلوی صاحب کے سپرد کر دیا اور انہیں پانچ روپیہ فی صفحہ دینا بھی قاضی صاحب نے طے کر لیا۔ اس کے بعد جناب شمس بریلوی صاحب نے اس مقالہ کے خاکہ میں اپنی مرضی کے لئے اور پسند کے مطابق رنگ بھرے اور اس طرح اس مقالہ کو موجودہ شکل ملی جو کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں اگر قاضی صاحب مرحوم اس مقالہ کو خود مکمل کر سکتے تو اس کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا کیوں کہ وہ اعلیٰ حضرتؒ کے سچے عقیدت مند تھے۔

اوپر جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ سارا قصہ جناب پروفیسر مسعود احمد صاحب دام ظلہ، نے میرے مکرم و محترم جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری زید لطفہ کے نام ایک خط میں تحریر کیا ہے جو پروفیسر صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

"مکرمی زید لطفکم

سلام مسنون۔ کراچی میں احقر کے مخلصین میں ایک فاضل قاضی محمد حمایت اللہ نے حضرت فاضل بریلویؒ کی شاعری پر ایک مقالے کا آغاز کیا تھا مگر علالت کی وجہ سے وہ لکھ نہ سکے آج شمس بریلوی صاحب کا خط آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ قاضی مرحوم نے یہ کام ان کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مقالہ مکمل کر لیا ہے جو فل اسکیپ سائز کے دو سو صفحات پر مشتمل ہے ذیلی عنوانات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت رضا کا تبحر علمی اور اس کا اثر شاعری پر

۲۔ حضرت رضا کی زبان دانی اور ان کی شاعری

۳۔ حضرت رضا کی زبان

۴۔ حضرت رضا کی معنی آفرینی اور طرز ادا

۵۔ حضرت رضا کی شاعری اور اس کی رنگینی

۶۔ حضرت رضا کی شاعری اور علم بیان و بدیع

۷۔ حضرت رضا کی فصاحت و بلاغت

۸۔ حضرت رضا کی شاعری اور ان کی اوّلیات

۹۔ حضرت رضا کی شاعری پر بعض اعتراضات اور ان کا جواب

۱۰۔ مطبوعہ دیوان کی تصحیح یا غلط نامہ

قاضی صاحب مرحوم نے مقالہ نگار سے ۵ روپیہ فی صفحہ طے کیا تھا افسوس دو ہفتے پہلے ان کا وصال ہو گیا یہ بات (پہلے) احقر کے علم میں نہ تھی اگر آپ یہ مقالہ شائع کرنا چاہیں تو پھر مقالہ نگار سے براہ راست مراسلت فرمائیں"

احقر محمد مسعود احمد

۲۹۔ مئی ۱۹۷۴ء ٹنڈو محمد خاں سندھ[۱]

یہ ہے "کلام رضا کا ادبی و تحقیقی جائزہ" کی مختصر کیفیت۔ جناب پروفیسر منیر الحق کعبی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"ہمیں جناب شمس بریلوی سے شرف زیارت نصیب ہے اور نہ بشیر حسین ناظم سے۔ جناب شمس سے غائبانہ تعارف کا قصہ یوں ہے کہ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کا تحقیقی مقالہ "اردو میں نعتیہ شاعری" پڑھا تو فاضل بریلوی کے کلام "حدایق بخشش" حصہ سوم کے حصول کا اشتیاق حد سے سوا ہوا اسی جستجو میں تھے کہ ایک دوست نے مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کا مطبوعہ نسخہ جس پر لکھا ہوا تھا "کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ" مع حدایق بخشش کامل، لا کے دیا جائزہ نگار حضرت شمس بریلوی تھے مطالعہ کیا تو ہولناک انکشافات ہوئے۔ کلام میں جابجا تحریفات سے کام لیا گیا تھا اور حصہ سوم سے تبرک کے طور پر ایک آدھ چیز شامل تھی مرتب اور ناشر نے اسے اغلاط سے پاک و صاف کرنے کا دعویٰ کیا تھا (اس موضوع پر ہمارا مقالہ زیر ترتیب ہے)"[۲]

چونکہ اس موضوع پر خود کعبی صاحب کا مقالہ زیر ترتیب ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ خود اس سے احسن طریقہ سے نپٹ لیں گے چنانچہ ناظم صاحب کے "خوان رحمت" کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

(الف) ناظم صاحب کے کتابچہ کی سب سے اہم چیز مکرم و محترم جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی "تقریظ" ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ ایسی تحریر پروفیسر صاحب جیسے فاضل صاحب ذوق اور صاحب دل کے قلم سے کیسے نکل گئی اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب کی تحریر میں ناظم صاحب نے تقاضائے طبیعت سے مجبور ہو کر قطع و برید، ترمیم و تنسیخ اور تحریف سے کام لیا ہو اور ایسا کرنا ان سے بعید بھی نہیں چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب موصوف کو

خط لکھا کہ وہ حقیقت حال پر روشنی ڈالیں کہ کیا یہ تحریر بلا کم و کاست ان ہی کے قلم کی رہین منت ہے یا کہ ناظم صاحب کی کرشمہ سازی کا شہکار ہے تو جواباً انہوں نے تحریر فرمایا

کراچی

۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء، محترمی زید لطفہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ نوازش نامہ کاشف احوال ہوا فقیر نے سید ریاست علی قادری مرحوم کے اصرار پر سکھر کے زمانۂ قیام میں تقدیم (تقریظ) لکھی تھی جو آئینۂ رضویات جلد دوم کراچی ۱۹۹۳ء میں شائع ہو چکی ہے عکس منسلک کر رہا ہوں آپ خود ملاحظہ فرمالیں کیا کیا اس میں اضافہ کیا گیا اور کیا کیا حذف کیا گیا[۳]"

اس سے پہلے جناب غلام مصطفیٰ امجدی صاحب کو بھی پروفیسر صاحب لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "ناظم صاحب نے فقیر کی تقدیم (تقریظ) میں تحریف کی ہے اسی طرح حفیظ تائب صاحب کی تقدیم میں تحریف ہوگی تقدیم کے پہلے صفحہ میں دو تین سطروں کے علاوہ باقی سب کچھ ناظم صاحب کا ہے احباب کی جفا شعاریوں کا کیا ذکر کروں آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا تو راز سے پردہ اٹھایا، ورنہ ضرورت نہ تھی آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا سچ ہے فقیر نے تقدیم میں ضروری اشارے اور وضاحتیں کر دی تھیں وہ سب حذف کر دیے گئے ہیں بلکہ تقدیم ہی مختصر کر دی گئی شاید اس کا ایک حصہ حفیظ تائب (کی تحریر) کے ساتھ لگا دیا گیا اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے پر رحم فرمائے[۴]"

پروفیسر صاحب نے مولانا امجدی کو جو یہ لکھا ہے کہ پہلی دو تین سطروں کے علاوہ سب کچھ ناظم صاحب کا ہے یہ بھی پروفیسر صاحب کی خوش فہمی ہے ناظم صاحب نے تو پہلی ہی سطر میں اپنی خداداد صلاحیت سے کام لے کر کافی تبدیلی کر دی ہے۔ پروفیسر صاحب کی تحریر کا اصل متن یہ ہے۔

"محترم المقام الحاج جناب بشیر حسین ناظم (ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل وزارت امور مذہبی اسلام آباد) دل والوں کے حلقے میں جانے پہچانے ہیں[۵]"

اب ذیل میں دیکھیئے کہ ناظم صاحب کے حسنِ کرشمہ ساز نے عبارت کو کیا سے کیا بنا دیا ہے

"محترم المقام الحاج جناب بشیر حسین ناظم۔ اہل دل، اہل کلک و قلم، اہل ادب کے حلقوں کی زینت اور کشورِ شعر (بالخصوص صنف نعت) میں عالم و فاضل شاعر کی حیثیت سے مسلم و معروف ہیں[۶]"

ناظم نے اعلیٰ حضرتؒ کے سلام کے شعروں اور مصرعوں میں جہاں کہیں تحریف کی ہے وہاں اعلیٰ حضرت کی سادہ، سلیس اور شگفتہ تراکیب و الفاظ کی بجائے نامانوس اور غرابت و تکلف سے بھرپور الفاظ و تراکیب کو استعمال کیا ہے مثلاً ؂

برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام

میں برکات رضاعت کی ترکیب کو "انتقائے رضاعت" جیسی نامانوس اور غرابت و تکلف سے بھرپور ترکیب میں بدل دیا ہے اگر اسی کا نام سخن گوئی و سخن فہمی ہے تو فارسی شاعری کا سب سے بڑا شاعر تغلق دور کا "بدر چاچ" ہونا چاہیے جس کے کلام میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے متلاشی اور عاشق جناب ناظم ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ کم از کم اردو زبان کی حد تک تو انہیں وہ حیثیت حاصل ہو جائے جو فارسی میں "بدر چاچ" کی ہے۔ جناب شیخ محمد اکرام صاحب اپنی تالیف "ارمغانِ پاک" میں "بدر چاچ" کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں۔

"محمد تغلق کے زمانے میں "بدر چاچ" نے عروج پایا جس طرح عجوبہ روزگار بادشاہ تھا، اسی طرح کا دل و دماغ خدا نے درباری شاعر کو دیا تھا بدر چاچ کے قصائد طرز تحریر کی غرابت، دقت زبان اور دور از کار تشبیہوں کی کثرت سے آج بھی چیستاں کا مجموعہ نظر آتے ہیں"[۷]

جناب ناظم کے کلام میں "بدر چاچی" روح پوری طرح کارفرما ہے اور "بدر چاچ" کے کلام کی طرح یہ بلاغت نظام کلام بھی ہمیشہ چیستاں بنا رہے گا۔ صرف دو بند ملاحظہ ہوں ؂

ڈھل گیا علق انفس میں تھا جو علق — بن گئی ان سے ارض مجزلق
بدلے صبح حسیں میں ظلام غسق — شبنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
ان کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام [۸]

اسپ ہائے خرد جس سے ہیں باسروج — جس کے علم و عمل ہیں پیام و علوج
جس کے نعرے سے کھل جائے راہ دروج — ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام ۹

اب میں جناب منیر الحق کعبی صاحب کے مقالہ اور قارئین کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا۔
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

چک ۱۵ شمالی ڈاکخانہ چک ۵
ضلع منڈی بہاؤالدین
سید نور محمد قادری

۱۔ مکتوب پروفیسر محمد مسعود احمد بنام حکیم محمد موسیٰ امر تسری محررہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کراچی
۲۔ مقالہ منیر الحق کعبی صاحب
۳۔ مکتوب پروفیسر محمد مسعود احمد بنام سید نور محمد قادری۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء کراچی
۴۔ مکتوب پروفیسر محمد مسعود احمد بنام غلام مصطفیٰ امجدی ۱۵ جون ۱۹۹۴ء (ماہ نامہ القول السدید لاہور ستمبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۵۴، صفحہ ۵۵)
۵۔ آئینہ رضویات مرتبہ عبدالستار طاہر کراچی ۱۹۹۳ء صفحہ ۲۶۴
۶۔ خوان رحمت مرتبہ بشیر حسین ناظم لاہور ۱۹۹۳ء صفحہ ۱
۷۔ ارمغان پاک مرتبہ شیخ محمد اکرام بار اول (خصوصی ایڈیشن) ۱۹۵۰ء صفحہ "ی"
۸۔ خوان رحمت مرتبہ بشیر حسین ناظم لاہور ۱۹۹۳ء صفحہ ۲۸
۹۔ خوان رحمت مرتبہ بشیر حسین ناظم لاہور ۱۹۹۳ء صفحہ ۴۴

سلامِ رضا کا اسلوب

۱

شاعری جمالِ ذات سے جنم لیتی ہے، اور اس کے ادراک کے لئے شعورِ حسن و جمال اور شورشِ عشق و جنوں کے مدرکات و محسوسات سے انتساب ضروری ہے، اس کے عدمِ احساس سے ہم، شاعر کی حسی بصیرت کا سراغ لگانے میں ناکام رہتے ہیں۔ شاعر اپنی تخلیقی کیفیت کے دوران میں وسیع تر تجربات سے گزرتا ہے جو بعض اوقات اس کی عام منکشف حیات سے، بظاہر بعید و غیر مربوط ہوتے ہیں۔ ان بے شمار تجربات کو وہ ایک خلّاق و فعّال ذہن سے منظم و مرتب کرتا ہے۔ اس میں اشتغالِ جذبات کا ایک سیلِ رواں ہوتا ہے مگر حُسنِ ترتیب سے۔ شاعر اگر تنظیم برقرار نہ رکھ سکے، تو نظم ایک جوئے بے کنار کی طرح بے مقصد و بے سمت ہو کر رہ جاتی ہے، اور اگر قاری یا نقاد، ذوقِ سلیم، وسیع مطالعہ، علوِ تخییل، جذبِ تحقیق اور علوم مختلفہ کی مناسب تحصیل سے بہرہ یاب نہ ہو تو وہ اس تخلیقی عمل سے گزر کر شاعر کے تخیل سے ہم آہنگی نہیں کر پاتا اور وہ اس حظ یا مسرت سے محروم رہتا ہے جو اس ادب پارے کا مقصود ہوتا ہے۔

"سلامِ رضا" ایک عظیم فن پارہ ہے جس میں جلال و جمال اپنے حسین ترین امتزاج کے ساتھ ارفع ترین صورت میں موجود ہے۔ پورے کا پورا قصیدہ ایک فنّی وحدت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے سر تا سر انتخاب۔ کسی ایک شعر کو، کسی شعر کے ایک لفظ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا، الفاظ و معانی میں ارتباط کی ایک خوبصورت مثال۔ تشبیہات و استعارات سے جو امیجری تخلیق کی گئی ہے طبیعیات سے مابعد الطبیعیات تک، دونوں کو محیط ہے۔ مجرد تصورات کی تجسیمی صورت گری بھی ہے اور جو پیکر تراشے گئے ہیں، متحرک اور جاندار بھی ہیں۔ ذہن، مسلسل ایک طلسماتی کیفیت میں اسیر رہتا ہے اور اس پر تقدس کی ایک فضا تا دمِ آخر مسلط رہتی ہے اور یوں مسحور و مسرور، شاعر کے ساتھ ساتھ محوِ سفر رہتا ہے۔

قصیدہ سلامیہ کو آپ ایک مسلسل غزل کہہ سکتے ہیں مگر سٹینزائی صورت میں، سٹینزائی اس لحاظ سے نہیں کہ ہر سٹینزا مختلف قوافی کا نظام رکھتا ہو بلکہ اس کا انداز غزل میں قطعہ بند کا سا ہے کہ اسی قافیہ

اور ردیف میں ہے۔ لیکن کہیں بھی کسی قطعہ بند کی نشاندہی نہیں کی گئی اور اگر بغور نظر کریں تو چار سے آٹھ لائنوں (مصرعوں) تک کو ایک قطعہ بند محیط ہے، گویا باقاعدہ نظام کو عمداً ترک کر دیا گیا ہے۔

"سلام رضا" کا ایک ایک شعر تغزل کی جان ہے۔ لطافت کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ثقیل لفظ جو گرانی کا احساس پیدا کرے استعمال نہیں ہوا۔ قصیدہ کا دامن تنافر اور غرابتِ الفاظ کے عیوب سے پاک ہے۔ اس کی فضا میں ایک پاکیزہ سرمستی ہے، خود سپردگی کا احساس ہے، نفاست و نزاکت ہے، سوز و گداز سے مملو ایک غنائیت ہے، اہم تر یہ کہ شاعر کا داخلی جذبہ، تخیل کے اشتراک سے اظہار پاتا ہے جو Lyrical Poetry کا امتیازی وصف ہے اسی بنا پر پورے سلام میں وہ موسیقیت ہے کہ آج تک اس کی ترنم آفریں فضا قلب و روح کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، مگر اس کی ندرتِ فکر، معنی آفرینی، رفعتِ موضوع، تحیر فزا تراکیب، پر شکوہ اسلوب پر منطقی استدلالیت اس کو Odes کا ملبوس عطا کرتی ہے جو Lyrics کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

"سلام رضا" ہیئتی اور صنفی لحاظ سے "قصیدہ" ہے ایک سو اکہتر (۱۷۱) اشعار پر مشتمل - "قصیدہ" کا لفظ ہی اس کی علویت و عظمت اور رفعت و شوکت کی طرف دلالت کرتا ہے۔ الفاظ و تراکیب میں شکوہ و جلال، مضامین میں رفعت و عظمت، طرز ادا میں ندرت و جدت، تشبیہات و استعارات میں کثرت، صنائع بدائع کا خصوصی التزام اور زورِ کلام قصیدہ کے خصائص میں شامل ہے۔ اور "قصیدہ سلامیہ" ان صفات پر پورا اترتا ہے۔

"سلام رضا" میں خامۂ رضا ابلقِ الفاظ و تراکیب پر سوار ندرتِ فکر اور جدت مضامین کے اقالیم اپنی قلمرو میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کے لشکر اس کے آگے دست بستہ استادہ رہتے ہیں اور ایک پر شکوہ اسلوب ظہور میں آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغلق یا مبتذل الفاظ سے فضا کو بوجھل بنا دیا گیا ہے ایک ایک مصرع سے فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی ٹپک رہی ہے۔ سادگی، خلوص اور جوشِ بیان نکھر کر سامنے آرہا ہے اور ان سب کے پیچھے شاعر کی علمی وجاہت، یقین کی پختگی، جذبۂ محبت کی شدت اور ایمانی صداقت کام کر رہی ہے۔

امام احمد رضا ایک کثیر جہتی شخصیت

۲

چساں بر لب نہم مہرِ خموشی با چنیں دردی
کہ فریاد و فغانش ریشہ در کام و زباں دارد (ظہوری)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے مذہب و سیاست اور علم و ادب کے مختلف شعبوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، ان کے باعث وہ اپنے عہدِ شباب ہی سے محسود و مظلوم رہے ہیں۔ اغیار تو اغیار، ان کے احباب و تلامذہ بھی کما حقہٗ ان سے شناسا نہ ہو پائے۔ عصرِ حاضر میں وہ علوم و فنون کے مقام سدرۃ المنتہیٰ پر فائز المرام ہیں۔ کوئی فرد، ان کے دور میں، نہ آج، ان کے اس کنہ کمال تک رسائی پا سکا۔ اس پر وہ تمام تنقیدی سرمایہ شاہد ہے، جس میں ان کی تصنیفات پر محاکمہ کیا گیا ہے۔ ان کی تحریرات کے سامنے نقد نگاروں کی بیچارگی عیاں ہے۔

تحصیلِ علم کے موجود وسائل و وسائط، اس قدر ناکافی و نارسا ثابت ہوئے ہیں کہ کوئی شخص ان مروجہ قواعد و ضوابطِ امتحانات سے گزر کر اعلیٰ حضرت کی کثیر جہتی شخصیت کی کسی ایک جہت کا بھی صحیح معنوں میں ادراک نہیں کر سکتا۔ تحقیق کا طالب علم عمر بھر کی محنتِ شاقہ کے بعد شاخسارِ علم و ادب کے کسی ایک برگِ موضوع پر ڈاکٹریٹ کر کے سمجھتا ہے کہ وہ اس کے شجرۃ العلم پر تمکّن حاصل کر چکا ہے۔ حالانکہ، اس علم کے بے شمار گوشے ابھی اس پر منکشف ہی نہیں ہوتے۔ بہت سے موضوعات اس کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں اور کئی علوم و فنون میں تو وہ بالکل کورا ہوتا ہے۔

امام احمد رضا خاں پر، ہمارا یہ پہلا مقالہ ہے۔ یہ نہ خالصتاً تنقید ہے، نہ تحقیق۔ یہ ایک ردِّ عمل ہے لیکن یہ محض ردِّ عمل بھی نہیں۔ آپ اسے منفی تنقید بھی کہہ سکتے ہیں اور تعصباتی تنقید بھی۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اسے کس اندازِ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم نے تو اس سیلاب کے سامنے ایک دیوار

کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے، جو کسی اخلاقی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی ضابطوں کا پابند نہیں۔ جو محض اپنی انا کی شورش میں "کلامِ رضا" کو بہالے جانا چاہتا ہے۔

ہمیں جناب شمس بریلوی سے شرفِ زیارت نصیب ہے، نہ بشیر حسین ناظم سے ---- جناب شمس سے غائبانہ تعارف کا قصہ یوں ہے کہ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کا تحقیقی مقالہ "اُردو میں نعتیہ شاعری" پڑھا تو فاضل بریلوی کے کلام "حدایق بخشش (حصہ سوم)" کے حصول کا اشتیاق حد سے سوا ہوا۔ اس جستجو میں تھے کہ ایک دوست نے مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کا مطبوعہ نسخہ، جس پر لکھا ہوا تھا (کلامِ حضرت رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ مع حدایق بخشش کامل) لا کے دیا۔ جائزہ نگار حضرت شمس بریلوی تھے۔ مطالعہ کیا تو نہایت ہولناک انکشافات ہوئے۔ کلام میں جابجا تحریف سے کام لیا گیا تھا، اور حصہ سوم سے تبرک کے طور پر ایک آدھ چیز شامل تھی۔ مرتب اور ناشرین ادارہ نے اسے "اغلاط سے پاک وصاف" کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ (اس پر ہمارا مقالہ زیرِ ترتیب ہے)

ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری کا "مفاہیم القرآن" (قرآن مجید کا آزاد منظوم ترجمہ) زیرِ نظر تھا کہ سید عارف محمود مجور رضوی نے "خوانِ رحمت (تضمین بر سلامِ رضا)" عطا کی، جو بشیر حسین ناظم کی تخلیق تھی۔ گھر آکر مطالعہ کیا تو ناظم، شمس سے بھی دو قدم آگے تھے۔ "خوانِ رحمت" پر تقریظ محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تھی، اور پیشوائی جناب حفیظ تائب نے فرمائی تھی۔ جنابِ ناظم سے ہمارا تعارف اسی حد تک ہے۔

یہ درست ہے کہ اعلیٰ حضرت کے کلام کو ناشرین اور مرتبین نے "شاملاتِ دہ" سمجھ لیا ہے۔ جس قدر مجموعے اشاعت پذیر ہو رہے ہیں ان میں اس قدر غلطیاں ہیں کہ احصار ناممکن۔ ہم نے شمس و ناظم کی ترمیمات کا جائزہ لیتے ہوئے "حسنی پریس بریلی" کے مطبوعہ نسخہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ نسخہ اس اولین نسخہ کے مطابق ہے جو حسن رضا بریلوی کا مرتبہ اور مطبع حنفیہ پٹنہ سے طباعت یافتہ ہے۔ اسی نسخہ کو بنیاد بنا کر تقابلی جائزہ لیا ہے کہ یہی قدیم ترین نسخہ ہمارے دستِ رسا میں تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کتابت کی غلطیاں نہیں، لیکن جس انداز میں ان حضرات نے ترمیم و تحریف کی، وہ درست طریقِ کار نہیں تھا۔ ہمیں یہی اختلاف ہے اور یہی اس مقالے کا باعثِ تحریر بھی۔ اپنے مؤقف کی وضاحت کے لئے ہم نے زیادہ تر متنی محاسن پر انحصار کیا ہے۔ حسنی پریس بریلی کے اس مطبوعہ

نسخہ میں حاشیہ پر تصحیح کے بعد ان کے نعم البدل الفاظ بھی مندرج ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ مطبع کے مہتمم نے اپنی حد تک درست نسخہ پیش کرنے کی کاوش کی ہے۔

یہ مضمون "خوانِ رحمت، تضمین بر سلامِ رضا" کے ان مقامات سے بحث کرتا ہے، جہاں بشیر حسین ناظم نے کلامِ رضا میں فنی نقائص کی نشاندہی کی اور ان میں ترمیم کی اور ان مصارع سے، جہاں انھوں نے بلا دلیل تحریف سے کام لیا (ویسے دلیل کا انکشاف بھی حفیظ تائب کی پیشوائی سے ہوا)۔ جناب شمس و ناظم نے اعلیٰ حضرت کے طرزِ املا کا بھی قطعاً خیال نہیں رکھا، بلکہ ان کے علاوہ بھی جو نسخے منصۂ شہود پر آرہے ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔ جب انھوں نے اس قدر بھی احتیاط سے کام نہیں لیا تو جو انھوں نے نتائج اخذ کیے، وہ بھی یقیناً قرینِ صحت نہیں۔

یہ واردات آج ہی نہیں جب سے انسان نے اپنی تاریخ و روایات کو محفوظ و منظم کرنا شروع کیا ہے، دانستہ و نادانستہ، ذاتی و گروہی، مذہبی و سیاسی تعصب کی بنا پر "موضوعات" تک کو روا رکھا، اپنے مقاصد کی خاطر ترامیم کیں، تحریف سے کام لیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ تعصبات کا طُومار نظر آتی ہے اور حکمران طبقہ کے جبر و ستم کا بیّن اظہار--- تحریف کے لئے مختلف انداز اپنائے جاتے ہیں۔

(الف) جعلی کتابوں، بیاضوں، اور عبارتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اور یہ مخترعی مصنفین، پس رو محقق اور نقاد حضرات کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں جس سے ادب اور ادیب کی صحیح سمت دریافت کرنے میں دِقّت ہی نہیں ہوتی، عام قاری کے نظریات پر غلط اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

ظہیر الدین سید احمد ولی اللہی نواسۂ شاہ رفیع الدین نے انفاس العارفین مطبوعہ مطبع احمدی کے آخر میں شاہ صاحب اور دیگر افرادِ خاندان سے منسوب جعلی کتابوں کی فہرست دی ہے۔

۱۔ تحفۃ الموحدین	مطبوعہ اکمل المطابع دہلی	منسوب بہ طرف حضرت شاہ ولی اللہ
۲۔ بلاغ المبین	مطبوعہ لاہور	(ایضاً)
۳۔ تفسیر موضح القرآن	مطبوعہ خادم الاسلام دہلی	منسوب بہ طرف شاہ عبدالقادر
۴۔ ملفوظات		منسوب بہ طرف شاہ عبدالعزیز

"محمود احمد برکاتی نے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات کا عنوان دے کر

دردانگیز مضمون لکھا ہے۔ ان حضرات کی تالیفات کی کمیابی اور نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوطِ دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اور بارہ کتابوں کے متعلق (۶۱ میں سے) لکھا ہے۔ خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے اور لکھا ہے شاہ صاحب کے مصنّفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنّفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر لیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔ آپ نے

۱۔ البلاغ المبین ۲۔ تحفۃ الموحدین

۳۔ اشارۂ مستمرہ ۴۔ قولِ سدید

کے نام لکھے ہیں اور دو نام

۱۔ قرۃ العینین فی اجلالِ شہادۃ الحسین

۲۔ الجنۃ العالیہ فی مناقب المعاویہ

لکھے ہیں[۲]۔

مفتی انتظام اللہ شہابی[۳]، غلام رسول[۴] مہر اور مرزا[۵] حیرت کے نام اس لحاظ سے بڑے معروف ہیں۔

(ب) تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور الفاظ لکھ دیے جاتے ہیں جس سے محقق اپنی مرضی کا مفہوم پیدا کرنا چاہتا ہے۔

قاآنی کا ایک قصیدہ منشی فاضل کے نصاب میں شامل تھا۔ اس کا مطلع تھا:

دوشم ندا رسید زِ درگاہ کبریا کاے بندہ کبر بہتر ازیں عجزِ باریا

اس قصیدے میں گریز کا شعر تھا

الاتبیمن طاعتِ برہانِ حق علی

الابعونِ مدحتِ سلطانِ دیں رضا[۶]

نصاب کی اس کتاب کا مقدمہ جناب کے ایم متزا نے لکھا تھا اور حواشی عندلیب شادانی مرحوم کے تھے۔ اور جب آقا بیدار بخت نے یہ نصاب مرتب کیا تو انہوں نے اس شعر کے عروض و ضرب میں تحریف کر کے یوں بنا دیا۔

الابیمنِ طاعتِ برہانِ حق نبی الابعونِ مدحتِ سلطانِ انبیا[۷]

اس طرح یہ قصیدہ امام علی رضا کے بجائے، حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والثنا کی بارگاہ سے وابستہ ہو گیا۔ اور نقوش رسول نمبر[8] کے مدیر نے بھی اسے نعتیہ قصاید میں شمار کر لیا۔ حالانکہ اس کی بہت سی تراکیب اور اشعار ایک امام اور ولی ہی کے مناسبِ حال ہیں۔ اگر مدیرِ موصوف تھوڑا سا تردد کر لیتے اور اصل ماخذ کی طرف رجوع فرماتے تو حقیقتِ حال واضح ہو جاتی۔

"دیوانِ حکیم قاآنی شیرازی" میں شعر مذکور اپنی پہلی صورت میں موجود ہے۔[9]

جناب علی عباس جلالپوری، معروف محقق، نقاد، ادیب اور فلسفی ہیں، پروفیسر لطیف اللہ لکھتے ہیں۔ "یہ بات اس سے قبل بھی عرض کی جا چکی ہے کہ پروفیسر صاحب نے وحدتِ وجود والے باب میں حوالہ جات کی کوئی نشاندہی نہیں کی۔ اس میں کیا مصلحت تھی اس کا سبب تو وہ خود ہی جانتے ہیں"[10] عبارت میں تبدیلی اور تحریف کو وہ بھی روا رکھتے ہیں۔ ابنِ عربی کے دو معروف اشعار اور ان کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔

الرب حق والعبد حق — یا لیت شعر من المکلف

ان قلت عبد فذاک رب — او قلت رب انیٰ یکلف

رب بھی خدا ہے اور بندہ بھی خدا ہے پھر مکلف کون رہا؟ کوئی بھی نہیں۔

اگر تم کہتے ہو عبد تو وہی رب بھی ہے جسے تم رب کہتے ہو وہ مکلف کیسے ہو گا"[11]

شیخ محی الدین ابن عربی کے اصل شعر ملاحظہ ہوں۔

الرب حق والعبد حق — یالیت شعری من المکلف

ان قلت عبد فذاک میت — اوقلت رب انیٰ یکلف[12]

پروفیسر عبدالرشید فاضل نے ان اشعار کو اسی طرح نقل کیا ہے اور ان کا ترجمہ حسب ذیل دیا ہے، جو درست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نتائج حسب منشا اخذ کیے ہیں۔

"رب بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے اے کاش میں جانتا کہ ان دونوں میں مکلف کون ہے، اگر تم کہو کہ وہ بندہ ہے تو وہ مردہ ہے اور اگر یہ کہو کہ وہ رب ہے تو مکلف کیوں کر ہو سکتا ہے"[13]۔

(ج) لفظوں کا ترجمہ ارادتاً غلط اور اپنی مرضی سے کر دیا جاتا ہے۔

توریت، زبور اور انجیل میں تحریف لفظی کی گئی اور اس قدر کہ اصل متن ہی ختم ہو گیا۔ قرآن مجید

نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ[۱۴]

(کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔)

کان فریقاً منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفون من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون[۱۵]

(ایک گروہ وہ تھا کہ اللہ کا کلام سننے اور پھر سمجھنے کے بعد دانستہ بدل دیئے۔)

معنوی تحریف کی بہار دیکھنی ہو تو قرآن مجید ایسی غیر مبدل کتاب، جس میں لفظی تحریف کا امکان ختم کر دیا گیا تھا، کی تفسیرات و تعبیرات دیکھئے اور یہ تہتر فرقوں کی تقسیم و تشکیل ————

انہ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت بعد موسیٰ علی احدی و سبعین فرقۃ و بعد عیسیٰ علیٰ اثنین و سبعین فرقۃ و ستفرق امتی من بعدی ثلثۃ و سبعون فرقۃ[۱۶]

سب اپنے مفاہیم و مطالب کے لئے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اس بحرِ ناپیدا کنار سے اپنے مطلب کے موتی چن لاتے ہیں۔ اقبال نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اگرچہ خود بھی تاویل و تعبیر سے کام لیا۔

(د) بعض اوقات اس کا طرزِ املا قدیم جان کر جدید املا میں بدل دیا جاتا ہے۔

دیوانِ ولی کے ایک مطبوعہ نسخے کا ذکر کرتے ہوئے گارساں دتاسی نے لکھا ہے

"اس مقالے کے شروع میں، میں نے دیوان ولی کے ایک اڈیشن کا ذکر کیا ہے، جو حال ہی میں بمبئی سے شائع ہوا ہے ---- حسبِ ضرورت متن کی تصحیح بھی کی گئی ہے یعنی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں ---- دیوان کو مرتب کرنے والوں کو نام نہاد اصلاح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان کا خیال تھا کہ ولی کے دیوان میں بعض متروک الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ترتیب دینے والوں کو اصلاح دیتے وقت یاد نہ رہا کہ ولی نے دکنی اردو میں شاعری کی اور اس زبان کے محاورے شمال کی موجودہ زبان میں لامحالہ ناپید ہوں گے۔ ولی کے کلام کی خصوصیت یہی اجنبی زبان ہے ---- بمبئی کے اڈیشن میں ---- ولی کو نیا لباس پہنانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے کلام کو کانٹ چھانٹ کر

مسخ کر دیا ہے۔ یہی نہیں کہ جدید صرف و نحو کا نشتر چلایا گیا ہے بلکہ دکنی الفاظ کو نکال کر، ان کی جگہ ایسے فارسی لفظ رکھ دیے گئے ہیں جو شمالی ہند میں رائج ہیں[۱۷]۔"

"دتاسی کی یہ تحریر ۱۸۷۵ء کی ہے، لیکن ۱۹۶۰ء میں بھی اس کی مثال مل سکتی ہے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور (مرحوم) نے ساہتیہ اکیڈمی کی فرمائش پر اردو شاعری کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا۔ اس میں دکنی شعرا کا کلام بھی شامل ہے اور بہت سے اشعار، دکنی کے بجائے، شمالی ہند کی زبان کا لباس پہن کر جلوہ گر ہوئے ہیں۔۔۔۔۔اگر کوئی شخص اس انتخاب یا ایسے ہی غیر معتبر مجموعوں سے حوالے دیتا ہے تو وہ گویا غلط متن کو قبول بھی کرتا ہے اور پیش بھی کرتا ہے۔ حوالے کے طریقہ کار کی خلاف ورزی کے علاوہ کبھی کبھی یہ بھی ہو گا کہ ایسے حوالوں سے جو نتائج نکالے جائیں گے (لسانی، سیاسی، سماجی وغیرہ) وہ بجائے خود ناقابلِ قبول ہوں گے۔ مثلاً حافظ کی غزل سے "عام اخلاقی انحطاط" کی ترجمانی کے متعلق جو نتیجہ نکالا گیا ہے، موجودہ صورت میں وہ قابلِ قبول نہیں، اس لئے کہ اس غزل کا حافظ سے کچھ تعلق نہیں[۱۸]" یہی حال وارث شاہ کے صوفیانہ کلام کا ہوا ہے "ہدایت اللہ نے سب توں پہلاں ہیر وارث شاہ وچ اپنی ولوں ۱۶۷۳ مصرعے وارث شاہ دے نام اتے لکھ کے پادتے۔ انج ہیر وارث شاہ نوں ملاوٹی کلام نال بھر دتا[۱۹]"۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ میاں ہدایت "لاہوری مرزائیوں" سے تعلق رکھتے تھے[۲۰] ہدایت اللہ نے عمداً ایسا کیا کہ وارث شاہ کی شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی۔ آج ہیر میں جس ثقافت کی ترجمانی ہے اس کا وارث شاہ سے کچھ تعلق نہیں۔

"خوانِ رحمت" کے غائر مطالعہ سے یہ حقیقت از خود انکشاف پذیر ہو جاتی ہے کہ جناب ناظم نے "کلام رضا" (سلام) میں تحریف کے تین طریقے اختیار کئے:

۱۔ لفظی تحریف

۲۔ معنوی تحریف

۳۔ املامیں تحریف اور یہی طریقے جناب شمس بریلوی نے اپنائے

ہم شمس بریلوی کی طرح یہ نہیں کہیں گے

"آپ یقین فرمائیے کہ میں نے عقیدت و ارادت کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیا ہے اور میرے قلم نے عقیدت کے سامنے سر نہیں جھکایا ہے۔۔۔۔۔ کی شاعری کا ہر ہر نوع اور ہر اک پہلو

سے جائزہ لیا"[۲۱]

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اعلیٰ حضرت سے ہمیں ایک گونہ عقیدت ہے (اور یہ عقیدت علمی اور ادبی ہے) لیکن ہم بریلوی ہیں نہ رضوی۔ تاہم، ہم اس عظیم انسان کے عظیم کارناموں پر سیاہی پھیرنے کی کسی سازش میں شریک بھی نہیں ہو سکتے۔ ہم بغیر جانے بوجھے کسی کی شعری صلاحیتوں کو یوں بھی خراج تحسین پیش نہیں کر سکتے کہ اس نے فاضل بریلوی کے حوالہ سے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

اگر ز شحنہ بود گیرودار، نندیشم

وگر ز شاہ رسد ارمغاں، بگردانم

ہم اس مقالہ کے بعد کسی خوش فہمی یا غلط فہمی کا شکار بھی نہیں۔ ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس انداز نقد سے چاہے اسے دیکھے۔

لیٹرپیڈ کا عکس

BASHIR HUSSAIN NAZIM
(Pride of Performance)
Deputy Director General

Ministry of Religious Affairs
Govt of PAKISTAN.
ISLAMABAD.

Tele: Off: 82848
Res: 81420

M.A. (Punjabi) M.A. (Persian),
M.A. (Islamic Studies)
M.O.L (Punjabi) M.O.L (Persian),
Dars-e-Nazámi
LSGD (Local Self Govt. Diploma)
C.F.P (Alexandria), Egypt.
I.G.M (Iqbal Gold Medal)
Author, Translator, Poet,
Linguist, Critic, Litterateur,
Journalist, Religious Scholar,
Member Pakistan Writers' Guild
Naat Khawn Outstanding Category

نعت ہے ممدوح حق

خلق را فتنۂ ایں شہر، فراموش شدہ
زخمِ پنہاں بنمائیم و خبر تازہ کنیم
(نظیری)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے کلام میں تحریفات کا جو سلسلہ جناب شمس بریلوی سے سر آغاز ہوا، اس میں علامہ بشیر حسین ناظم نے بھی ایک اہم علمی و ادبی کارنامہ "خوانِ رحمت، تضمین برسلامِ رضا" تخلیق کر کے، شامل ہونا ثواب جانا۔ جنابِ ناظم کا تعارف، آپ انھی کے قلم سے پڑھیے۔ ممکن ہے ہم سے کوئی کوتاہی رہ جائے۔ ان کے سرکاری لیٹر پیڈ پر ان کا تعارف ملاحظہ ہو۔ اس سرکاری لیٹر پیڈ پر انہوں نے "سیرت طیبہ[۲۲]" کو نعت لکھ کر بھیجی ہے۔ (لیٹر پیڈ کا عکس صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہو۔)

جناب الحاج بشیر حسین ناظم کی یہ تضمین مرکزی مجلسِ رضا لاہور کی جانب سے محبانِ رضا کی ضیافت کے لئے منظرِ عام پر آئی ہے۔ ہمارے سامنے یہی "خوانِ رحمت" چھپا ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی "تقریظ" اور جناب حفیظ تائب کی تحسین سے مملو "پیشوائی" اس کی زینت ہیں۔ ڈاکٹر مسعود صاحب، اعلیٰ حضرت کے سلسلہ میں ایک اتھارٹی ہیں۔ ایک خاص رومان آمیز طرزِ انشا کے مالک ہیں[۲۳]۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ تقریظ پڑھی تو یقین نہ آیا کہ تحریر واقعی ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکلی ہے۔ بعد میں جہانِ رضا نے تصدیق کر دی اور ناچار یقین کرنا پڑا۔

"محترم بشیر حسین ناظم کی تضمین کے لئے آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے "خبرنامہ" میں خبر لگا دی اور چھپ گئی۔ فقیر کے خیال میں سچائی، برکت اور رحمت سے خالی نہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو، ان برکتوں اور رحمتوں کو حاصل کیا جائے[۲۴]۔"

واجب الاکرام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے بجا فرمایا مگر حقائق کو پسِ پشت ڈال کر صداقت کا حصول ممکن نہیں۔ جناب حفیظ تائب نے مبالغہ آمیز حد تک اپنے اس تلمیذ کی ستائش کی ہے۔

"چنانچہ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۷۷ء میں ایم اے اسلامیات اور ایم اے اردو کیا لیکن جو تعلیم آف دی ریکارڈ حاصل کی اس کا شمار ممکن نہیں مگر اس کی دھاک ہر کہیں محسوس کی جا سکتی ہے۔"[۲۵]

اس "پیشوائی" پر شاگردِ حفیظ نے استاذِ مکرّم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے وقت القاب کی تخلیق میں پورا زورِ قلم صرف کر دیا اور پروازِ خیال کی انتہا کو چھو لیا۔ دیکھئے:

"از عندلیبِ چمنستانِ رسالت، طوطی باغ نبوت، قائد نعوت نگاراں، امیر کشور درد شعاراں، استاد وقت، خوش رخت و خوش بخت، مقبول و منظور بارگاہ مصطفٰی، کشتۂ تیغ مؤدت، آل سید الورا، قتیل دشنہ محبت اولیا، خالی از معائب، جناب پروفیسر حفیظ تائب مدظلہ العالی"[۲۶]

ہمارے علم کے مطابق جناب حفیظ تائب، خاندانِ سادات سے نہیں اور 'آلِ سید الورا' کہہ کر انھیں اولادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بنانے کی کوشش کی ہے۔ اسی پر بس نہیں، انھیں "خالی از معائب" کہہ کر "ہمسرِ سید الورا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم" بھی ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

"خالی از معائب" حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا وصفِ خاص ہے اور شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے دربارِ نبوت میں جو قصیدہ پیش فرمایا، اس میں اس طرف خصوصی اشارہ ہے ؎

واحسن منک لم ترقط عینی و اجمل منک لم تلدالنساء
خلقت مبرء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء[۲۷]

"مبرء من کل عیب، معائب سے خالی" اور یہی وصف، جنابِ ناظم نے پروفیسر حفیظ تائب کے لئے "خالی از معائب" کہہ کر بیان فرمایا ہے۔ پروفیسر موصوف کو تو وہ "خالی از معائب" قرار دیتے ہیں، مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اپنی تضمین میں ایک ایسی ترکیب استعمال کی ہے کہ پڑھنے کے بعد تحریر کا حوصلہ دم توڑ دیتا ہے۔ جسم و جاں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں "کائناتِ شقا و شفا پر درود"[۲۸]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت "شقا" کا لفظ لا کر نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ وہی بہتر بتا سکتے ہیں۔ مگر بظاہر اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ اعلیٰ حضرت، تمام عمر ان حضرات کے خلاف خصوصی طور پر جہاد میں مصروف رہے، جن نے خداوند قدوس اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ

علیہ و آلہ وسلم کے حضور انتخابِ الفاظ میں غیر محتاط رویہ اختیار کیا اور پھر اپنی لفظی بے اعتدالیوں پر مصر رہے۔ فاضل بریلوی زندگی بھر امتِ مسلمہ کی فکری اور نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں کوشاں رہے۔ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے کاروانِ بے منزل کو نہ صرف منزل کی خبر دی بلکہ اس کی رہنمائی و نگہبانی کے لئے قرآنی فرمودات

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر[29])

کے مطابق ایک ایسی جماعت تیار کی جو اسے منزلِ مقصود تک لے جانے میں کامیابی سے ہم کنار بھی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی اس راسخ العقیدہ تعلیم ہی کا اثر تھا کہ اس قوم کو پھر یادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بے قرار کرنے لگی۔

اس کا احساس اقبال کو بھی ہوا اور اقبال نے "شکوہ" میں اس تبدیلی کی طرف اشارہ بھی کیا،

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز — لے اڑا بلبلِ بے پَر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز — تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے — طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے[30]

اور "بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز" اعلیٰ حضرت کی عطا کردہ فکر سے ملا جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی "بھولی بھیڑوں[31]" کو "ذیاب فی ثیاب" کے چنگل سے بچا کر، ہر طرف سے ہانک کر، گنبدِ خضرا کی پناہ میں لے جا رہے تھے۔ اقبال کو "طور اسی آگ میں جلنے کو مضطر" ملا اور اعلیٰ حضرت کے عملی جہاد نے سیاسی طور پر وہ فضا تیار کی جس پر اقبال خطبہ الہ آباد کا متن تیار کر سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے حقائق گریز مصنفین و مؤرخین نے اس احسان اور رہنمائی کا اعتراف کرنے کے بجائے الزامات سے نوازا۔ مطالعہ پاکستان ہو یا دیگر کتب، جو عوام کے زرِ صرف وکثیر سے، سرکاری سرپرستی میں تیار ہو کر آ رہی ہیں، اعلیٰ حضرت کے ذکر سے خالی ملتی ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی عرفِ عام میں سیاستدان نہ تھے۔ وہ ایک سیاسی مدبر و مفکر تھے۔ سیاستدان تو مصلحت بیں ہوتا ہے۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق سوچتا اور عمل پیرا ہوتا ہے۔ زمانے سے سمجھوتہ کرنا جانتا ہے، لیکن سیاسی مدبر کا اندازِ فکر و سیاست جدا ہوتا ہے۔ اس کے ارادے اٹل اور اصول غیر مبدل ہوتے ہیں۔ اس کی فکر و دانش سے حق و باطل میں امتیاز ہوتا ہے۔ وہ گویا جہاں

کے جوہر مضمر کا امتحان ہوتا ہے اور اس میدانِ فکر و عمل میں بھی فاضلِ بریلوی کی شان نمایاں رہی۔

تحریکِ خلافت کے "ہنگامہ پرور" اور "جنوں گستر" دور میں، جب رومانیت شعور پر غالب آ چکی تھی، مفاد پرست اپنی اپنی امامت و خلافت کی بنیادیں استوار کرنے میں لگے تھے، سفید سامراج اور ہندو رام راج باہمی گٹھ جوڑ سے ایسے راہنما پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا، جو ملت اسلامیہ کے ذہنوں میں اکبری الحاد کے تخم بو رہے تھے، جو قائد یا لیڈر اس طوفان کے سامنے آیا، خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا، مگر ۔۔۔ "مسلمانوں کو سیاسی خود کشی سے بچانے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں، وہ لایقِ صد ستایش ہیں"[۳۲] اور آج کے مورخ پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ اس وقت اعلیٰ حضرت کا موقف ہی درست تھا۔ مدیر "اسلامی انسائیکلوپیڈیا" نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے:

"جب گاندھی جی نے تحریکِ ترکِ موالات کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد کی داغ بیل ڈالی، اعلیٰ حضرت نے اس سے اختلاف کیا اور مسلمانوں کو اس اتحاد کے مضمرات سے آگاہ کیا۔ ان کے معتقدین نے "جماعت رضائے مصطفیٰ" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور اس کے بعد "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی گئی جس کا دوسرا نام "جمہوریتِ اسلامیہ مرکزیہ" رکھا گیا۔

۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان کے اعلان کے ساتھ ہی بریلوی تحریک اپنے زوروں پر آ گئی۔ چنانچہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا چار روزہ اجلاس (۲۷ تا ۳۰ اپریل) بنارس میں منعقد ہوا۔ اس میں متفقہ طور پر پاکستان کی حمایت کی گئی"[۳۳]۔

اسی ضمن میں تحریکِ پاکستان کی مخالف قوتوں کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیں

۱۔ ہندو کانگرس	۲۔ ہندو مہاسبھا
۳۔ جن سنگھ	۴۔ راشٹریہ سیوک سنگھ
۵۔ گئو رکھشا سبھا	۶۔ حکومتِ برطانیہ
۷۔ اکھنڈ بھارت سبھا	۸۔ اکالی دَل
۹۔ جماعتِ احمدیہ (قادیان)	۱۰۔ شکتی دَل

۱۱۔ آریہ سماج ۱۲۔ جمعیۃ العلمائے ہند
۱۳۔ قوم پرست ۱۴۔ مجلسِ احرارِ اسلام
۱۵۔ تحریکِ خاکسار ۱۶۔ شیعہ پولیٹیکل پارٹی
۱۷۔ سنی بورڈ ۱۸۔ مومن کانفرنس
۱۹۔ اہلِ حدیث ۲۰۔ جماعتِ اسلامی
۲۱۔ یونینسٹ پارٹی (پنجاب) ۲۲۔ پرجا پریشد (فضل الحق بنگال)
۲۳۔ امارت پارٹی ۲۴۔ سرخ پوش (سرحد)
۲۵۔ آزاد امیدوار ۲۶۔ جی ایم سید گروپ (سندھ) ۲۷۔ اتحاد پارٹی

اور ان مذکورہ بالا پارٹیز کا کردار، استحکامِ پاکستان میں، آج بھی کوئی خاص قابلِ تعریف نہیں۔ اس پس منظر کو سامنے رکھیں تو یہ بات کھل جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت ہی اس آزاد مملکت کے اولیں کارواں سالار ٹھہرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سیاست و مذہب میں تفریق کے قائل نہ تھے۔ محقق بریلوی سپر انٹلکچوئل (Super-Intellectual) شخصیت کے حامل تھے۔ اقبال کے مردِ مومن کا مصداقِ صحیح، وہ صرف علومِ دینیہ ہی کے مجدد نہ تھے۔ کئی دیگر علومِ قدیمہ و جدیدہ میں بھی ان کی تجدیدی بصیرت، مخالف و موافق اہلِ علم و فن سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ ہر شعبۂ علم میں ان کی حیثیت مجتہدانہ ہے، مگر ان سب اوصاف سے فزوں تر ان کی وہ صفتِ قائمہ و محکمہ ہے جس پر ان کے بدترین مخالف بھی رشک کھاتے ہیں، اور وہ ہے ان کی "فنافی الرسول کی کیفیتِ سرمدی و ابدی" جو ان کی ذات، ان کی تصنیف و تالیف، ان کے قول و فعل اور ان کے فکر و شعور کے رگ و پے میں طاری و ساری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس عشق و محبت کی بدولت دنیائے اسلام میں "اعلیٰ حضرت" کے نام سے زندہ و پائندہ ہوئے۔ یہ عشقِ رسالت ہی کے تقاضے تھے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور، کسی بڑے سے بڑے فرد کے گستاخانہ کلمات و الفاظ کو برداشت نہ کر پائے۔ غیرتِ عشق کو، دربارِ رسالت میں بے باکانہ رویہ اپنانے والوں سے متصادم ہونا پڑا اور عشقِ غیور نے بھی خوب تعاقب کیا۔ معاصرانہ چشمک میں بہت کچھ ہوتا ہے اور ہوا، لیکن یہ دورِ جدید ----- جو مغرب و مشرق کے الحادی نظریات کا کاشتہ و پروردہ ہے۔ بزعمِ خود بڑا باشعور و معدلت کیش -----

بھی اعلیٰ حضرت کے خلاف نوع بہ نوع سازشوں کے جال پھیلانے میں شریکِ عدوان ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے

"مولانا شبلی اور مولانا عبدالحق دہلوی (صاحبِ تفسیر حقانی) نے ندوہ کے قواعد و ضوابط مرتب کیے سر سید، محسن الملک، وقار الملک نے بھی ندوہ کے اغراض و مقاصد کو پسند کیا اور تقریر و تحریر سے ان کا خیر مقدم کیا۔ لیکن (ایک طرف تو سر اینٹنی میکڈانل (گورنر صوبجات متحدہ) نے ندوہ کی مخالفت کی۔ اور اس کو سیاسی سازشوں کا مرکز سمجھ کر مشتبہ قرار دیا۔ دوسری طرف مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے ندوہ کی شدید مخالفت شروع کی۔ بلکہ ایک مخالف جماعت 'ندوہ' کے نام سے بھی قائم کر دی[۳۵]"

مصنفِ اقتباس جناب عبدالمجید سالک نے گورنر میکڈانل کی مخالفت کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی مخالفت کا ذکر کر کے حقایق کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے ایک شر آمیز رویہ اپنایا جو بظاہر تو بڑا معمولی نظر آتا ہے مگر اس کے اندر وہ زہرِ ہلاہل سرایت کیے ہوئے ہے جو رضا دشمن عناصر کے قلم سے اس انداز میں عوام کے اذہان و قلوب تک رسائی پاتا رہتا ہے۔ اور یہ Slow poisoning ہر سطح پر جاری و ساری ہے۔

سالک نے "گورنر صوبجاتِ متحدہ" کے ساتھ مولوی احمد رضا خاں بریلوی جیسے انگریز دشمن کا نام لے کر اپنے رضا معاندانہ رویہ کی تو عکاسی کر دی لیکن انھوں نے یہ بالکل ذکر نہ کیا کہ (شبلی کی عطیہ پرستی) کے باعث ان کے اپنوں نے بھی مخالفت کی حالانکہ فاضل بریلوی نے (ندوہ) کے پہلے اجلاس میں شرکت کی تھی مگر وہ ان اکابرین کے کردار سے مطمئن نہ ہوئے اور الگ ہونے والوں میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی تھے۔ بہر کیف ان عناصر نے فقہ و حدیث، ترجمہ و تفسیر، لغت و ادب، غرض جس طرح اور جس سمت سے بھی یورش کی، ان کے حینِ حیات، ہر میدان میں ہزیمت اٹھائی۔ فاضل محقق نے مخالفین کے قائم کردہ اعتراضات کے جواب دے کر ان پر ایسے سوال اٹھائے کہ مسکت دلا جواب کر دیا۔

اعلیٰ حضرت کا مجموعۂ کلام "حدایقِ بخشش" ۱۳۲۵ھ میں چھپا۔ سید محمد آصف نے کانپور سے لکھا:

"ان دنوں جناب والا کا نعتیہ دیوان کمترین کے زیرِ مطالعہ ہے۔ بصد ادب بملا زمانِ حضور کی خدمتِ بابرکت میں ملتمس ہوں کہ دو مصرع کے الفاظ شرعاً قابلِ ترمیم معلوم ہوتے ہیں اور غالباً اس

ہیچمدان کی رائے سے ملازمانِ سامی بھی متفق ہوں اور درصورتِ عدمِ اتفاق جواب باصواب سے تشفی فرمائیں۔ ع

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

اس مصرع میں لفظ (شہنشاہ) خلافِ حدیث دربارہ قول "ملک الملوک" ہے۔ بجائے "شہنشاہ" اگر (مر ے شاہ) ہو تو کسی قسم کا نقصان نہیں۔ دوسرا یہ مصرع حضرت غوثِ اعظم قدس سرہ کی تعریف میں ع

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ دل خداوندِ کریم کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہی ذات مقلب القلوب ہے۔" [36]

اعلیٰ حضرت نے سید محمد آصف کے اعتراض پر جواب میں ایک مفصل رسالہ "فقہ شہنشاہ و اِنّ القلوب بیدِ المحبوب بعطاءِ اللّٰہ" تصنیف فرمایا جو اپنے تاریخی نام کے تطابق سے ۱۳۲۶ھ میں مطبع اہلسنت و جماعت بریلی سے طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔ فاضل بریلوی نے دادِ تحقیق دیتے ہوئے لکھا:

"خود ہمارے فقہائے کرام میں امامِ اجل علاؤالدین ابوالعلا لیثی ناصحی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا لقب شاہان شہ ملک الملوک، تھا۔ آئمہ و علمای مابعد جو اون کے فتاوی نقل کرتے ہیں۔ اسی لقب سے اونھیں یاد فرماتے ہیں اور وہ جناب فقاہت مآب خود اپنے دستخط انھیں الفاظ سے کرتے" [37]

اس کے بعد "مندرجہ ذیل حضرات علما و صوفیہ کی نگارشات سے ۳۳ حوالے پیش کیے اور یہ ثابت کیا کہ ان حضرات نے "شہنشاہ، ملک الملوک، سلطان السلاطین" وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۱۔ امام رکن الدین ابو بکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید کرمانی (جواہر الفتاوی)

۲۔ علامہ خیر الدین زر کلی (فتاوی خیریہ)

۳۔ مولانا محمد جلال الدین رومی (مثنوی شریف)

۴۔ شیخ مصلح الدین سعدی

۵۔ حضرت امیر خسرو (قران السعدین)

۶۔ مولانا نور الدین جامی (تحفۃ الاحرار)

۷۔ شمس الدین حافظ شیرازی

۸۔ مولانا نظامی

۹۔ شیخ شہاب الدین (بحر مواج) [38]

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب کو سہو ہوا ہے انھوں نے علامہ خیر الدین زرکلی تحریر فرمایا ہے۔ جبکہ علامہ خیر الدین زرکلی اور علامہ خیر الدین رملی دو الگ الگ شخصیات ہیں

صاحب فتاوی خیریہ، علامہ خیر الدین رملی ہیں اور اعلیٰ حضرت کی تصنیف مذکور میں بھی علامہ کا نام اس طرح لکھا ہے:

"علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب در مختار رحمہما اللہ تعالیٰ ----"[۳۹]

"صاحب حدائق الحنفیہ" نے بھی رملی ہی لکھا ہے:

"خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی بن زین الدین بن عبد الوہاب ایوبی فاروقی رملی ---- شہر رملہ میں ۹۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۸۱ھ میں رملہ میں فوت ہوئے"[۴۰]

اور "صاحب در مختار" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبد الرحمان بن محمد بن. جمال الدین بن حسن بن زین العابدین حصنی اثری المعروف بہ حصکفی" ---- "آپ کی فضیلت و تحقیق کا خود آپ کے مشائخ اور ہمعصروں نے اقرار کیا، یہاں تک کہ شیخ خیر الدین رملی، آپ کے استاذ نے آپ کی سندِ اجازت میں یوں لکھا"[۴۱]

علامہ خیر الدین زرکلی "صاحبِ اعلام" بھی معروف ہیں اور موجودہ صدی کے مصنف ہیں۔ طبعِ ہفتم کا مقدمہ نگار لکھتا ہے:

الاعلام : قاموس تراجم الشهر الرجال و النساء من العرب و المستعربين و المستشرقين، وهو الاسم وسم به الكاتب الفذ المرحوم خير الدين زركلي نتاجه الذى بداه عام ۱۹۱۲ - بعد الاعداد له قبل ذلك بسنوات۔ ولم ينفض يده منه طيلة ستين عاما، باذلا فيه ماقدره الله عليه من مساعى تطوير، اشار هو الى بعضها فى لمقدمات التى صدر بها الطبعات الثلاث للاعلام عام ۱۹۲۷، عام ۱۹۵۷، و عام ۱۹۶۹، واستمر فى بذلها الى العشية من توقف قلبه الكبير عن الخفقان، و انقطاع نسغ الحياة عن دماغه الثر المنظم[۴۲]

اسی طرح قصیدہ معراجیہ میں اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کو دلھن اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دولھا سے تشبیہ دی تو اس قرینے پر اعتراض کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب میں "حجب

العوار عن مخدوم بہار" تصنیف فرمائی جس میں "مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے مؤقف کی تائید میں ۱۶ کتابوں سے حوالے پیش کر کے ثابت کیا کہ آثار و اخبار میں بیت اللہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو عروس سے تشبیہ دی گئی ہے"[۴۳]

از عکسِ روئی زنگیاں آئینہ کے گردد سیہ
ہم خلوتِ تر داماناں بادامنِ پاکش نگر
(قتیل)

اب کے فتنوں نے طرحِ نو سے سر اٹھایا، ایسے افراد سامنے آئے، جو اعلیٰ حضرت کا نام لے کر اعلیٰ حضرت کے وقار و ناموس کو مجروح کرنے سے بھی نہ شرمائے۔ یہ بیباکی و جسارت، اغیار کے اندازِ جارحانہ سے بڑھ کر مہلک اور مضرت رساں ثابت ہو رہی ہے۔ بعض نام نہاد محقق، شاعر، ادیب، نقاد، مصنف، شارح، مترجم اور ماہرِ لسانیات، کلامِ رضا کو ہدفِ تنقید بنا کر، اس میں ترمیم و تحریف کر کے، اس کے مفاہیم و مضامین کو اس حد تک بدل دینا چاہتے ہیں کہ "حدایقِ بخشش" حدایقِ بخشش نہ رہے اور وہ مذموم مقاصد و عقاید کو کلامِ رضا سے بھی ثابت کر کے تائید پا سکیں جیسا کہ اکابرِ اہلِ سنت و جماعت کی بہت سی معروف کتابوں کے ساتھ یہ المیہ ہو چکا ہے۔ ہمارے بعض دوست نادانستہ اغیار کی معاونت فرما رہے ہیں۔ جناب علامہ شمس بریلوی کو اعلیٰ حضرت کے کلام حدایقِ بخشش کی ترتیب "غیر ادبی" اور "غیر شاعرانہ" نظر آئی اور انھوں نے "کلامِ حضرت رضا قدس سرہ کا تحقیقی اور ادبی جائزہ" لیتے لیتے اس میں بہت سی تحریفات کر ڈالیں، بہت سے اشعار حذف کر دیے، اور علامہ بشیر حسین ناظم نے "سلامِ رضا" پر تضمین شروع کی تو کلامِ رضا کو از سر نو لکھنے کا فیصلہ کر لیا اور جنابِ حفیظ تائب کی اشیرباد سے بآسانی اس مرحلہ سے گزر گئے۔

۳ تضمین

"خوانِ رحمت" اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قصیدہ سلامیہ پر تضمین (مکمل سلام پر) ہے۔
"خوانِ رحمت" کے مطالعہ سے پیش تر اس بات کا تعین ضروری ہے کہ
تضمین کیا ہے؟ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟

تضمین کی حدود کیا ہیں؟
اچھی تضمین کے اوصاف کیا ہیں؟
شمیم احمد کے مطابق "تضمین ایک ایسی چیز ہے جسے صنف کہنے کا تو خیر سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اسے ہم صحیح معنوں میں ایک شعری ہئیت بھی نہیں کہہ سکتے۔ اسے محض ایک شاعرانہ طریقہ کہا جا سکتا ہے۔ تضمین سے مراد یہ ہے کہ شاعر اپنے کہے ہوئے یا کسی شاعر کے کسی شعر یا اشعار یا نظم یا مصرع وغیرہ پر کوئی شعر یا مصرع لگاتا ہے"[۴۴]

اردو ادب میں تضمین نگاری قدیم ہے، مگر اس نے باقاعدہ رواج کی صورت، مومن، غالب اور ذوق کے تلامذہ کے عہد میں اختیار کی۔ اس سلسلہ میں صرف غزل ہی موردِ الطاف نہیں ہوئی، قصاید اور مثنویات بھی اس التفات سے محروم نہ تھیں۔
تضمین کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے، حامد حسن قادری لکھتے ہیں:
"تضمین کے اغراض دوگونہ تو یہ ہو گئے یعنی نعتِ پاک کو تضمین کر کے دربارِ اقدس میں نذرِ عقیدت پیش کر دی یا کسی مقبولِ خدا کا دامن پکڑ لیا۔ تیسری غرض کسی آقائے مجازی کی غزل کو تضمین کر کے خراجِ تحسین ادا کرنا اور خوشنودیِ مزاج حاصل کرنا ہے۔۔۔۔۔ چوتھی غرض کسی مشہور شاعر کے سہارے شہرت طلبی ہو سکتی ہے۔ اس میں مکمل دیوانِ غالب کی تضمین آ سکتی ہے۔۔۔۔ پانچویں غرض فن تضمین میں کمال پیدا کرنا اور ماہر تضمین کی حیثیت سے نام پانا ہے۔۔۔۔ چھٹی غرض بغیر کسی خاص مقصد کے، محض اپنے شوق سے غزلوں یا متفرق پسندیدہ اشعار کو تضمین کرنا ہے"[۴۵]

تضمین کے مختلف انداز اور متنوع صورتیں۔

۱۔ طرحی غزل لکھتے ہوئے مصرعِ طرح کو مصرعِ ثانی مان کر اس کے لئے مصرعِ اولیٰ بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اسے عرفِ عام میں گرہ لگانا کہتے ہیں۔ یہ بھی تضمین ہی کی ایک شکل ہے۔ یہ صرف ایک مصرعے کی تضمین ہے اور غزل کے صرف ایک شعر تک محدود ہے باقی اشعار کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۲۔ تضمین کی ایک متداول صورت یہ ہے کہ کسی شاعر کا ایک شعر یا ایک مصرع لے کر اس پر پوری نظم کہہ دی جاتی ہے اس قسم کی تضمین میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ تضمین کیا ہوا شعر یا مصرع اپنے وہی معنی دے جو دراصل اس سے مطلوب تھے۔ بدلے ہوئے سباق میں اس کی معنویت مختلف بھی ہو سکتی ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مختلف ہو کہ تضمین کا یہ برتر جواز ہے کہ تضمین کرنے والے شاعر نے کسی پرانے شعر یا مصرع کا ایک نیا اطلاق دریافت کیا ہے۔۔۔ غنی کاشمیری کا یہ شعر بہت مشہور ہے

غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
که نورِ دیده اش روشن کند چشمِ زلیخا را

اقبال نے "خطاب بہ نوجوانانِ اسلام" میں اس شعر کی تضمین کی ہے آخری شعر یہ ہیں

حکومت کا تو کیا رونا کہ یہ اک عارضی شے ہے نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن که نورِ دیده اش روشن کند چشمِ زلیخا را

غنی کا یہ شعر اپنے اس مخصوص سیاق میں معنی کی ایک نئی سطح یعنی ایک نئے علامتی مفہوم تک پہنچ جاتا ہے۔۔۔۔ اب پیر کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بجائے ملت اسلامیہ، نور دیدہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بجائے مسلمانوں کا علمی سرمایہ اور زلیخا سے امراۃ العزیز کی بجائے یورپ مراد لیا جائے گا ایسی تضمینوں کی کامیاب ترین مثالیں اقبال کے کلام میں ملتی ہیں۔ بانگِ درا میں تضمین بر انیسی شاملو، تضمین بر شعرِ ابو طالب، تضمین بر شعرِ صائب اسی قسم کی نظمیں ہیں[۴۶]۔

ارشاد احمد ارشد لکھتے ہیں "اقبال نے متعدد شعرا کے کلام پر گرہ لگا کر انھیں اپنے مخصوص فکری ڈھانچے کے لئے موزوں کر لیا ہے لیکن اردو سے زیادہ انھیں فارسی شعرا کا کلام پسند ہے چنانچہ وہ اپنے اردو کلام میں بھی بلا تامل فارسی شعر سموتے چلے جاتے ہیں" ویسے صرف "بانگِ درا میں چالیس مقامات پر اقبال نے دوسرے شعرا کے مکمل شعر یا ایک ایک مصرع پر گرہ لگائی ہے اور کہیں کہیں تھوڑے تصرف سے بھی کام لیا ہے[۴۷]"۔

۳۔ تضمین سے شرح و تفسیر کے مقاصد بھی پورے ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات تضمین کا مقصد ہی اس نظم کی تشریح و تفسیر ہوتا ہے چنانچہ مرزا عزیز بیگ المتخلص بہ مرزا سہارنپوری نے غالب کی اردو غزلیات کی تضمین کی ہے جس کا مقصد ہی یہ ہے کہ غالب کے اشعار کو قارئین کے لئے آسان بنایا جائے، چنانچہ کتاب کا نام "روح کلام غالب المعروف بہ تفسیر کلام غالب" رکھا ہے[۴۸]۔

جناب بشیر حسین ناظم کی "تضمین بر سلام رضا" کا شمار بھی اسی زمرے میں ہوتا ہے اس کا مقصد بھی سلام رضا کی توضیح و تشریح ہے اور جہاں یہ مقصد پورا نہیں ہوتا وہاں شاعر کی ناکامی ظاہر ہے۔

کامیاب تضمین کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود رقم طراز ہیں

"تضمین کہنا کوئی آسان کام نہیں، کامیاب تضمین کہنے کے لئے دل میں دل ڈالنا پڑتا ہے، کسی کے قدم سے قدم ملانا، کسی کے مرغِ فکر کے ساتھ اڑنا، کسی کے سمندر میں غوطے لگانا، کسی کے جہانِ خیال کی سیر کرنا، کسی کے درخت میں پھل لگانا اور کسی کے گلشن میں اپنے پھول سجانا اتنا آسان کام نہیں۔ تضمین میں مرغِ فکر پابند ہو جاتا ہے۔ مرغِ فکر کو قفس میں اس طرح بند کرنا کہ حسنِ پرواز میں فرق نہ آئے بڑا مشکل کام ہے[۴۹]"

تضمین کی خوبی واضح کرتے ہوئے نظامی بدایونی، شارحِ دیوانِ غالب نے مرزا سہارنپوری کی کتاب "روحِ کلامِ غالب" کے مقدمہ میں بجا طور پر لکھا "اس کی ادنیٰ خصوصیت یہ ہے کہ مشکل ترین اشعار کے معانی اور مطالب اس درجہ واضح ہو جاتے ہیں کہ کسی شرح کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔۔۔۔ اس لحاظ سے "روح کلام غالب" کو دیوانِ غالب کی تمام شرحوں پر فوقیت حاصل ہے[۵۰]"

"تضمین کا حسن یہ ہے کہ جس شعر یا مصرع پر تضمین کی جائے اس کے معنی میں کوئی نیا زور پیدا ہو یا معنی کی کوئی نئی جہت سامنے آئے اور ایسا شعر ایک نئے شعر کا لطف دیتا ہو[۵۱]" تضمین کے اسی رخ کو

ارشاد احمد ارشد نے اقبال کے حوالہ سے مزید اجاگر کیا ہے۔

"عام لوگ جس شاعر کے شعر پر گرہ لگاتے ہیں اسی کے خیال کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی وضاحت اور تشریح کر جاتے ہیں لیکن اقبال کا قوی فکر اپنے پسندیدہ شعر کو اس کے عام روایتی مفہوم سے اٹھا کر نئی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے وہ دوسروں کے شعروں میں بھی اپنی روح پھونک دیتے ہیں وہ ہر شاعر کے کلام کا مطالعہ اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔وہ دوسروں کے شعروں کو بھی اس خوبی سے اپنا لیتے ہیں کہ خود انھی کے کلام کا حصہ معلوم ہونے لگتے ہیں"[۵۲]

تضمین کرتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھا جاتا ہے کہ اپنے مصرعوں کو مربوط کرنے کی سعی میں شاعر کے شعر میں کوئی تبدیلی نہ ہو اور یہ تو کبھی نہ ہوا کہ تضمین میں کامیابی نہ ہوئی اور شاعر کے کلام میں یا زیرِ تضمین مصرع یا شعر میں تحریف کر دی۔ چند معروف شعرا کی تضامین دیکھیے۔

امیر مینائی اور داغ دہلوی نواب یوسف علی خاں والئی رام پور کے دربار سے منسلک تھے نواب موصوف کی ایک معروف غزل پر دونوں اساتذہ تضمین کرتے ہیں۔ ایک ایک بند ملاحظہ ہو۔

امیر

طوفانِ جوشِ گریۂ بے اختیار جھونٹ　　آتش فشانی جگر داغ دار جھونٹ
زورِ کمند جذبِ دلِ بے قرار جھونٹ　　"تاثیر آہ و زاریِ شب ہائے تار جھونٹ
　　آوازۂ قبول دعائے سحر غلط"

داغ

ہوتے ہیں ایک بات کی تہ میں ہزار جھونٹ　　تصدیق کیجئے تو بس انجام کار جھونٹ
اور پھر ڈرائیں بول کے بے اعتبار جھونٹ　　"تاثیر آہ و زاری شب ہائے تار جھونٹ
　　آوازۂ قبول دعائے سحر غلط"

امیر کے مصرعے نہایت زوردار، ہم پلہ اور چوتھے مصرعے سے متوازن ہیں۔ معشوق کی طرف سے تین "جھونٹ" بڑھا کر اس کے "کس قدر غلط" کو زیادہ مدلل کر دیا لیکن یہ صورت تضمین بالکل بدیہی تھی کہ شعر غزل کے مصرع اول کے مساوی مصرعے کہہ دیے جائیں۔ داغ نے ایک اور صورت سوچی انھوں نے (کس قدر غلط) کے بعد جھونٹ گنانے شروع نہیں کیے بلکہ اول جھونٹ کی قلعی کھولی اس سے مضمون میں وسعت پیدا ہو گئی اور مکالمہ کا لطف بڑھ گیا۔ داغ کا تیسرا مصرع نہایت معنی خیز ہے گویا چوتھا اور پانچواں مصرع اس کی تفصیل ہے۔ خوب مضمون نکالا کہ تاثیر آہ و زاری

شب اور قبول دعائے سحر کی دھمکیاں دیتے ہیں حالانکہ وہ بھی جھوٹ اور یہ بھی غلط"[۵۳]

بیان ویزدانی میرٹھی کو تضمین کرنے میں کمال کا ملکہ حاصل تھا۔ غالب کی بعض غزلوں کی نہایت خوبصورت تضمین کی ہے۔ مرزا سہارنپوری قدیم رنگ کے مالک تھے۔ غالب کے شاگرد تھے۔ بیان اور مرزا کا تقابلی انداز دیکھیے۔

بیان

نیرنگ مہ و مہر ہے کیا کیا مرے آگے — پھر کی ہے کہ ہے گنبد مینا مرے آگے
"بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — دومہرۂ بازیچہ ہیں گویا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے"

مرزا

فانوس خیالی کا ہے نقشا مرے آگے — گردش میں جو ہے گنبد خضرا مرے آگے
"بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے — ہے ارض کو اک گیند کا رتبا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے"

"بیان کے مصرعوں کی ترتیب مضمون کے لحاظ سے بدلنی چاہیے۔ "دومہرۂ بازیچہ" سے "مہ و مہر" مراد ہیں اس لئے دوسرے اور تیسرے مصرعے سے پہلا شعر بننا چاہیے۔ پہلے مصرع کی 'پھر کی' غالب کے بازیچۂ اطفال سے مناسب ہو جائے گی۔ بہر حال موجودہ ترتیب بھی با معنی ہے۔ خمسہ اچھا ہے مرزا کا پہلا شعر بہت اچھا ہے، تیسرے مصرع میں "ارض" کا لفظ گراں ہے "زمین" لفظ آنا چاہیے تھا اور آسکتا تھا مثلاً "رکھتی ہے زمین گیند کا رتبہ مرے آگے"[۵۴]

شاہ ابوالشرف مجددی، امیر مینائی دبستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ تضمین میں بڑی مہارت اور دسترس رکھتے تھے۔ امیر کے ایک شعر پر تضمین ہے

جو زخم روئے اس سے بھی کہ "رو کے تو بھی ہنس — ہاتھوں سے اپنے خون کو دھو دھو کے تو بھی ہنس
"ہنستے ہیں اچھے زخم تو خوش ہو کے تو بھی ہنس — کچھ پا کے وہ ہنسے ہیں تو کچھ کھو کے تو بھی ہنس
یہ تو ہنسی کی بات ہے ظالم خفا نہ ہو"

امیر کا شعر ان کے خاص رنگ کا خوش نما گلدستہ ہے یہ مضمون اور یہ اسلوب بیان' حضرتِ امیر اور قدیم لکھنؤ اسکول کی خصوصیت ہے۔ جنابِ شرف نے بھی اسی طرز میں اس کو خمسہ کیا ہے۔

حقیقت میں عجیب مضمون پیدا کیا ہے اور عجیب مصرعے پیدا کیے ہیں۔ تضمین کے لئے کوئی دوسرا قافیہ نہیں بن سکتا تھا"[۵۵]

غزل کے اشعار میں ایک جہانِ معنی آباد ہوتا ہے اس کی بہت سی جہتیں ممکن ہو سکتی ہیں لیکن نعت میں ایک تعین ہوتا ہے اس کے کسی شعر کے معنی میں تحریف نہیں ہو سکتی اپنی مرضی اور خواہش سے اس کا مرکزِ خیال بدل نہیں سکتے اس لئے نعت میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غزل پر تضامین کے بعد اب نعت پر بھی تضمینات ملاحظہ ہوں

۱۔درد کاکوروی

ہے مدینہ کا تصور اور میری چشم نم　　مجھ پہ کب تک اے خدا ہو گا ترا فضل و کرم
سینہ بریاں، دیدہ گریاں، جان و دل وقفِ الم　　"کے بود یا رب کہ رو در طیبہ و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم"[۵۶]

درد نے بڑی خوبصورتی سے اس کشمکش اور کرب کو، اپنے مصرعوں میں بیان کیا ہے جو مولانا جامی کے شعر میں پنہاں تھا۔ درد کا تیسرا مصرع، اس کرب وانتظار میں شاعر کی جو کیفیت ہے، اس کی تفصیل پیش کر رہا ہے اور پھر جب "کے بود" سے چوتھا مصرع شروع ہوتا ہے تو رقّت آمیز کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

۲۔احسن مارہروی

محسن کاکوروی کی نعت کے ایک شعر پر احسن مارہروی کی تضمین دیکھیے، کس خوبصورتی سے مصرعوں کو پیوست کیا ہے۔

منقش آیۃ الکرسی ہے جس پر وہ نگیں تو ہے　　کہا "من ذالذی یشفع" جسے وہ بالیقیں تو ہے
نہیں قید مکاں کوئی، جہاں دیکھا وہیں تو ہے　　"غرض ہر جا شفیع و رحمۃ اللعلمیں تو ہے
زمیں میں، آسماں میں، جنت الماوی میں، محشر میں"[۵۷]

احسن نے محسن کے شعر میں بیان کردہ مضمون کو قرآن مجید سے تائید پہنچا کر اس کی وضاحت کی ہے۔ آیۃ الکرسی میں "من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ" میں شفاعت کا اذن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے اور اس کا تعلق اور ربط رحمت کے ساتھ ہے۔ رحمت کے لئے کوئی

قید نہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت و رحمت ہر مکان اور ہر مقام پر ان کے چاہنے والوں کو حاصل ہو گی۔ احسن مارہروی کے مصارع محسن کے مصرعوں کی سمت بتدریج بڑھتے ہیں اور بالآخر ضم ہو جاتے ہیں۔

۳۔منور بدایونی

منور بدایونی نے حسن رضا بریلوی کے کلام پر نہایت برجستہ مصرعوں سے خمسہ تشکیل دیا ہے۔ حسن کا شعر ہے ؎

گر وقتِ اجل سر تری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

منور کی تضمین ملاحظہ ہو ؎

جلوے ترے نظروں میں ہوں بالیں پہ قضا ہو　　تو چشمِ کریمی سے ادھر دیکھ رہا ہو
اے کاش یہ حسرت مری پوری ہو تو کیا ہو　　"گر وقتِ اجل سر تری چوکھٹ پہ جھکا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو" [58]

۴۔شہیدی

شہیدی نعت کے حوالہ اور خاتمہ بالخیر کے باعث شعرا میں رشک بھری نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ مولانا جامی کی نعت پر شہیدی کا خمسہ ہے

جب عدم خانۂ ہستی کا کھلا روشن دان　　نورِ اول سے ہویدا ہوئے افرادِ جہاں
اپنے مرکز کی طرف ہوتی ہے ہر چیز رواں　　ذرہ وارم بہوا داری او رقص کناں
تاشد او شہرہ آفاق بہ خورشید وشی" [59]

شہیدی نے ذرہ و خورشید میں باہمی جذب کی توجیہ بہم پہنچا کر اپنی وارفتگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ مصرعے نہایت موزوں اور متوازن ہیں۔ محسوس ہوتا ہے، ایک ہی شخص کا کلام ہے۔ یہی تضمین کا حسن ہے۔

۵۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی کسی شاعر المتخلص بہ قاسم (شاید قاسم بریلوی) کی نعتیہ غزل پر

تضمین کی ہے۔ قاسم نے بطور خاص مقطع میں شہیدی کا ذکر کیا ہے۔ تضمین نہایت کامیاب ہے اور اعلیٰ حضرت نے اپنے محبوب شاعر کافی مراد آبادی کا اپنے ساتھ ذکر کیا ہے

لاکھوں ہیں سینہ بریاں مثلِ رضا و کافی — انجام کار سب نے اپنی مراد پائی
دشت طلب میں ہو کے آوارہ کھو گئے جی — "وہ دن بھی ہو الٰہی جو صورتِ شہیدی
حضرت کی جستجو میں قاسم وطن سے نکلے" [۶۰]

تضمین نگار کو اس وقت دِقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب زیرِ تضمین اشعار سراپا کے ہوں۔ تضمین نگار سراپا سے نظر ہٹا کر آوارہ خیالی میں اصل موضوع کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اس طرح اس کے متضمن مصرعے شاعر کے اشعار میں ضم نہیں ہو پاتے لیکن اعلیٰ حضرت کے ہاں ایسا نہیں۔ قاسم ہی کی ایک اور نعت کی تضمین، اعلیٰ حضرت نے کی ہے۔ اس کا ایک بند ملاحظہ ہو

"صدقے اس غالیۂ مو پہ ہوں ہر حور کے بال — کیا یہ خوشبو ہے کہ نافہ کو ہوا مشک و بال
عطر بیزی میں ہے یہ زلفِ معنبر کو کمال — "وصفِ گیسوئے نبی کا جو بندھا دل میں خیال
شعر جو نکلا دہن سے وہ معطر نکلا" [۶۱]

مقطع میں شاعر کے تخلص کو، بعض اوقات تضمین نگار حشو جان کر مصرعوں کی تخلیق کر دیتا ہے مگر قاسم کی نعت کے مقطع پر اعلیٰ حضرت کی تضمین دیکھیے، قاسم نے بھی اپنے شعر میں خود کو مخاطب کرتے ہوئے مداحِ پیمبر قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی تضمین میں یہی اطلاق اپنے اوپر کیا ہے اور ساتھ ہی قاسم سے خطاب کا رشتہ بھی قائم ہے لیکن اعلیٰ حضرت کا کمال یہ ہے کہ تضمین میں مصرعوں کے تسلسل اور مضمون سے یہ جدت پیدا کی کہ مرکزِ بیان اعلیٰ حضرت کی ذات بن گئی۔

ہے رضا گرچہ سیہ کار سراپا قاسم — نعتِ احمد ہے مگر اس کا وظیفہ قاسم
ایک مصرع بھی گر آقا کو خوش آیا قاسم — "حشر کے روز اٹھے شور عجب کیا قاسم
قبر سے دیکھو وہ مداحِ پیمبر نکلا" [۶۲]

اعلیٰ حضرت کے سلام پر تضمین نگاری کا شرف حاصل کرنے والوں میں اختر الحامدی کو اولیت حاصل ہے اور شاید برتری بھی۔ اختر نے تضمین کرتے وقت ہمیشہ اعلیٰ حضرت کی فکر و نظر سے ہدایت حاصل کی اور اسی تخیل کو سامنے رکھتے ہوئے مصرعے تخلیق کرنے کی کاوش کی اور دوسروں کی

نسبت زیادہ کامیاب رہے۔ دیگر شعراعام طور پر اعلیٰ حضرت کے متوازی چلنے پر مصر رہے اور غیر متوازی خمسہ تشکیل کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا ضیاع کرتے رہے. جناب اختر الحامدی کی تضمین سے ایک بند پیش ہے۔

روز و شب ، کعبہ و لامکاں خم رہیں   رفعتیں .بہر سجدہ جہاں خم. رہیں
"جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں   .بہرِ آداب ، کروبیاں خم رہیں
اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام" [63]

اب ناکام تضمینات کے چند ایک نمونے دیکھیے تاکہ اس بات کا اندازہ لگانے میں سہولت رہے کہ تضمین میں حسن و قبح کا معیار کیسے قائم کیا جا سکتا ہے۔اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ تضمین نگار شاعر کی فکر اور اسلوب کو نہ سمجھ سکا یا سمجھا تو اس کے مطابق تخلیقی عمل سے نہ گزر سکا یا شاعر کے تخیل کی بلندی تک رسائی نہ پا سکا یا مصرعوں میں ربط و ترتیب قائم نہ رہ سکی۔

یہ امثلہ حامد حسن قادری کے مضمون "کلامِ غالب کی تضمین" سے ماخوذ ہیں۔

جو کڑی پڑے گی اب شوق سے اٹھالیں گے   بستر اس کے کوچے میں اک طرف .جمالیں گے
"دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے   اب تو اس سے ملنے کی راہ کچھ نکالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا"

میری رائے میں۔۔۔مصرعوں کی ترتیب یہ ہونی چاہیے۔۔۔۔۔اس طرح پڑھ کر دیکھیے

بستر اس کے کوچے میں اک طرف .جمالیں گے   اب تو اس سے ملنے کی راہ کچھ نکالیں گے
"دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے   جو کڑی پڑے گی اب شوق سے اٹھالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا"

"مرزا صاحب کا تیسرا مصرع چوتھے مصرعے سے اس قدر مربوط نہ تھا جیسا دوسرا مصرع ہو گیا اس کے علاوہ تیسرے مصرع کی ضمیر (اس) اور چوتھے کی (وہ) ان دونوں کا مرجع پانچواں مصرع پڑھنے سے پہلے ایک ہی معلوم ہوتا ہے یہ بات بھی مصرع بدلنے سے جاتی رہی"

۲۔ درست مفہوم سمجھنے میں سہو

اور گے پر اس کے ہاتھوں سے ہو یوں خنجر رواں   یوں مرا سینہ دبا دے وہ، مری قسمت کہاں

اور کیا اس کے سوا ہے خوش نصیبی کا نشاں "بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں
مرحبا میں - کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے"

"غالب نے "تیغ نگاہ" کا ذکر کیا ہے لیکن مرزا صاحب نے "نگاہ" کے لفظ کا خیال نہ کیا اور تیغ یار تصور کر کے ذبح ہونے کا منظر کھینچ دیا ورنہ "تیغ نگاہ" میں سینہ دبانے اور گلے پر خنجر چلانے کا کیا محل تھا"

۳۔ پورے شعر کے بجائے، شعر کے کسی ایک حصہ پر تضمین کی بنیاد رکھنا

رکھتا ہوں پاس اس لئے کاغذ قلم دوات تحریر سے ہوتا بسہولت ہر ایک بات
ممکن ہے کوئی دن کہے سمجھوں میں اس کو رات "بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر"

"یہ عجیب تضمین کی ہے یعنی مرزا صاحب کے مصرعے غالب کے پورے شعر کی تضمین یا شرح نہیں ہیں بلکہ صرف اس ٹکڑے کی تشریح کرتے ہیں کہ "بہرا ہوں میں" یعنی میں بہرا ہوں اس لئے سامان تحریر ساتھ رکھتا ہوں۔ آگے جو مضمون رہا کہ مجھ پر دونا التفات ہونا چاہیے اس لئے کہ میں بات کو مکرر کہے بغیر نہیں سنتا، اس سے مرزا صاحب کی تضمین کو کوئی تعلق نہیں۔ غالب تو بات کو مکرر کہلوانا چاہتے ہیں اور مرزا صاحب بجائے کہنے کے لکھنے کے لئے کاغذ قلم دوات پیش کر رہے ہیں اگر غالب یہ کہتے کہ میں کسی طرح نہیں سن سکتا تو تحریر کی ضرورت پیش آتی۔"[۶۴]

علامہ شمس بریلوی نے بھی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے سلام کی تضمین کی ہے ان کی تضمین کے کچھ بند "سہ ماہی تصوف، کراچی" میں نظر سے گزرے۔ اس کے ایک دو بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اوس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

شمس کی تضمین ہے ؎

ان کا ارشاد ہے اس قدر محترم قبلۂ نطقِ والا کی شان اتم
اللہ اللہ ان کا کمال حشم "کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام"[۶۵]

فاضل بریلوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے نقش پا کو نقطۂ خیال قرار دے کر شعر کی تخلیق کی اور اس نسبت سے قدمِ پاک کے تلووں پر بھی سلام پڑھا اور اس کا مآخذ سورہ البلد ہے جس میں ارشاد ربانی ہے

لااقسم بھذاالبلد O وانت حل بھذاالبلد [۶۶] O

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو)

علامہ شمس، فاضل بریلوی کے شعر کی مرکزیت سے دور اپنی مرضی سے تضمین میں لگے رہے ان کے مضمون کا اعلیٰ حضرت کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ شمس کے مصرع اول و سوم میں "ان کا" مرجع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے نطق وحشم ہیں اور اعلیٰ حضرت کے مصرع ثانی میں "اس کا" مرجع (کف پا) ہے انھوں نے اعلیٰ حضرت کے شعر کو بالکل مدنظر نہیں رکھا۔

ایک اور تضمین دیکھیے

مہبط وحی حق، صدر بزم شہود ۔۔۔ مایہ ہر عرض، جوہر ہر وجود

"اصل ہر بود و بہبود تخم وجود ۔۔۔ وہ بنائے قیام و رکوع و سجود

قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام [۶۷] "

جناب شمس کے مصرعے باہم بھی مربوط نہیں، اس صورت میں ان کی ترتیب بھی درست نہیں۔ تیسرے مصرع میں "وہ" حشو ہے محض وزن کی خاطر لایا گیا ہے، پہلا مصرع، تیسرے مصرع کی جگہ اور تیسرا دوسرا ہونا چاہیے اس طرح کچھ ربط ممکن ہے۔ پھر یہ تضمین اعلیٰ حضرت کے شعر کی جزوی تضمین ہے۔ "اصل اور تخم" کے الفاظ کو سامنے رکھ کر تضمین کو مکمل کیا گیا ہے۔ "قاسم کنز نعمت" اور "بہبود تخم وجود" کو نظر انداز کر دیا گیا۔

○ علامہ بشیر حسین ناظم نے بھی علامہ شمس بریلوی کی تقلید کی ہے تضمین کرتے کرتے اعلیٰ حضرت کے "سلام" کے بہت سے مصارع تبدیل کر دیے۔ اس کی وجہ جواز جناب حفیظ تائب نے "پیشوائی" میں پیش فرمائی ہے "ان کی تحقیق و تجسس کی بدولت سلام رضا کے متن میں بھی کئی جگہ اصلاح ہو گئی ہے اور یوں بعض ناقدین فن کے وہ اعتراض رفع ہو گئے ہیں جو اعلیٰ حضرت بریلوی کے فن پر کرتے تھے۔ کچھ مروجہ مصرعوں کے ساتھ صحیح مصرعے درج کیے جاتے ہیں۔

صحیح مصرع	مروجہ مصرع
۱۔ ورد باغ رسالت پہ لاکھوں سلام	۱۔ گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
۲۔ ملح آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام	۲۔ نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
۳۔ انتقائے رضاعت پہ لاکھوں سلام[۶۸] "	۳۔ برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام

جناب حفیظ تائب، ہمارے ملک کے نامور نعت گو ہیں۔ نعت کے حوالہ سے اکثر مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ نعتیہ مجموعوں پر ان کے دیباچے "پیشوائی" (مقدمے) اور تقاریظ ان کی "وسعت نظر" پر دال ہیں۔ یونیورسٹی اور یئنٹل کالج لاہور کے شعبہ پنجابی سے منسلک رہے ہیں۔ تحقیق و تدوین کے اصول و ضوابط سے بخوبی آشنا ہیں۔ طلبہ سے کئی تحقیقی مقالات لکھوائے ہوں گے۔ زبانی امتحانات لیے ہوں گے۔ اس مقام کے حامل فرد سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اپنے "تلمیذ رشید" کی ناروا جسارتوں کو تحقیق سمجھ کر یوں تائید و تصدیق سے نوازیں گے۔ کیا حفیظ تائب "خالی از معائب جناب حفیظ تائب" کا کوئی جواز پیش کر سکتے ہیں؟ اور دوسری طرف وہ شاعر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو "کائنات شقا" کہہ رہا ہو۔ کیا حفیظ تائب کے ضمیر نے احتجاج نہ کیا ہو گا؟ اور کیا جناب حفیظ تائب یہ گوارا فرمائیں گے کہ ان کے کلام کو کوئی فرد یہ سمجھ کر کہ یہاں الفاظ مشکل، تراکیب مغلق اور تشبیہات مبہم ہیں یا یہ کہ اس کی دانست میں بعض اشعار وزن سے خارج ہیں (ہوں یا نہ ہوں، یہ الگ بحث ہے) اس کی اصلاح کر کے اس میں تحریف کا سلسلہ شروع کر دے اور پھر خود تائب اپنے کلام کو تلاشتے پھریں کہ میرا کلام کدھر گیا؟ یقیناً تائب اپنے اور اپنے کلام کے ساتھ ایسا گستاخانہ رویہ اپنانے کی اجازت نہ دیں گے۔ پھر کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کا کلام "شاملاتِ دہ" سمجھ لیا گیا ہے جس کا جی چاہے قبضہ جما لے۔ جس کے جی میں آئے "دنیائے رضویت کی ایک شاندار خدمت" کے نام پر "کلام رضا" کی صورت بگاڑنا شروع کر دے اور پھر داد و تحسین کا حق دار بھی قرار دیا جائے۔ کیا کوئی اخلاقی ضابطہ، کوئی تحقیقی اصول، کوئی تنقیدی اسلوب اس قسم کے تصرفات کی اجازت دیتا ہے؟ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تائب اور ان کے شاگرد اچھے شاعر ہوں گے لیکن ان کا یہ عمل کسی صورت بھی لائق تحسین نہیں، نہ پروفیسر تائب جیسے "عظیم محقق و نقاد" کے لئے اس فعل کی حمایت قابلِ داد۔

جناب تائب کی تخلیقی و تحقیقی عظمت سے انکار نہیں لیکن بعض اوقات ان کی تحریر میں یک

دم ایک آدھ جملہ ایسا بھی آجاتا ہے جو اپنے سیاق و سباق سے غیر متعلق ہوتا ہے۔ صاحبزادہ سید نصیر الدین گولڑوی کے مجموعہ "دین ہمہ اوست" کی "پیشوائی" سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"شواہد النبوت میں مولانا جامی نے کعب بن لوی بن غالب کے کچھ اشعار درج کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شخص حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے وفات پا چکا تھا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اصل نام ہند تھا اور ان کا شجرہ نسب اس ناعت مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) سے اس طرح ملتا ہے۔ ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ[۶۹] بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب"۔۔۔۔ اس شخص نے ایک شعر میں سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کی یوں خبر دی ہے[۷۰]۔"

مذکورہ بالا پیراگراف میں "ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کعب بن لوی بن غالب" تک کا اقتباس قطعاً غیر متعلق ہے۔ اس لئے نہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی محویت سے عبارت میں زیادہ صفائی اور روانی آجاتی ہے۔ اس مقام پر ان کا ذکر بے محل واقع ہوا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب نائب نے ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر پر ہی کیوں اکتفا کی جب کہ اور ازواج مطہرات کا سلسلہ بھی کعب بن لوی بن غالب سے ملتا ہے۔ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے سلسلہ نسب ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب

۲۔ حضرت عایشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب

۳۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب

۴۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ بن

حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب

۵۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب

٦۔ حضرت زینب بنت امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب،، (ننہیالی رشتہ)[۷۱]

کیا جناب حفیظ تائب کو کسی خاص گروہ یا جماعت کی خوشنودی تو مطلوب نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہ کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہ لیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نظر انداز کر گئے۔ حد یہ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بھلا دیا۔ چلو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا سلسلہ تو ننہیالی تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا شجرہ نسب مرہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ پھر ایک نام کو ترجیح کے معنی؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب تو براہ راست کعب پر ہی جا کے ملتا ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ، عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب سے ہو کر مل جاتا ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب چھے[٦] (سب سے کم) واسطوں سے کعب تک پہنچتا ہے اور "حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی سگی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں[۷۲]"

اگر اس ناعتِ مصطفیٰ (کعب) تک سلسلہ نسب کا جانا باعثِ شرف و منزلت ہے تو اس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور ازواجِ مطہرات بھی شریک ہیں۔ یہ تمام باتیں فکر پر مجبور کرتی ہیں اور وہ نقاد اور محقق جو نعت کے سلسلہ میں احمد رضا بریلوی، حالی پانی پتی اور ظفر علی خاں مرحوم کو یکساں مقام پر فائز گردانتا ہو، اس کی تنقید اور تحقیق متوازن نہیں ہو سکتی (اعلیٰ حضرت اور دیگر نعت گو شعرا پر ہمارا طویل مضمون زیر ترتیب ہے)

جناب پروفیسر حفیظ نے اپنے عزیز شاگرد کی علمی، ادبی اور فنی صلاحیتوں کا جی بھر کے اعتراف کرتے ہوئے انھیں یہ مشورہ دیا ہے کہ

"وہ مروجہ نسخہ ہائے حدایق بخشش کا قدیم نسخوں سے موازنہ کر کے اس عظیم کتاب کی تینوں

جلدوں کے معیاری متنوں کو سامنے لائیں"[۴۳]

اور محترم تائب کے یہ "تلمیذ عزیز" ان کے مشوروں سے زیادہ برق پا نکلے۔ انھوں نے "موازنہ" سے پہلے ہی وہ سب کام کر دکھایا اور "خوانِ رحمت" میں اعلیٰ حضرت کے کلام کو تدوین و تحقیق کے مراحل سے گزارنے کے بجائے از سر نو لکھنا بہتر سمجھا اور یوں استاذِ مکرم کی عطا کردہ جرأت سے خوب استفادہ کیا اور اپنا عظیم کارنامہ حضورِ استاد میں پیش کر دیا۔

فرض کریں اعلیٰ حضرت کے کلام میں ناقدینِ فن کے مطابق اعتراض کے مواقع موجود ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ فن کے معتبر ماہرین بھی فطری اختلاف کے باعث کسی ایک نقطۂ نظر پر جمع نہیں دوسرے یہ فن بھی دیگر فنون کی طرح جامد نہیں، فاضل اساتذۂ سخن اور صنّاع شعرا نئی نئی بحور اور ان میں نئے نئے اوزان اختراع کرتے آئے ہیں اور یہ تسلسل برقرار رہے گا اور ان پر اعتراضات کا سلسلہ بھی۔ اور اگر حقیقتاً فنی اغلاط و نقائص موجود ہیں تو کیا اس سے لازم ٹھہرتا ہے کہ آپ قلم دوات لے کر بیٹھ جائیں اور اصلاح کرنی شروع کر دیں۔ کیا اس کا کوئی جواز آپ کے پاس ہے کہ آپ کسی کے کلام میں ترمیم یا تحریف کا ارتکاب کریں اور پھر عین ممکن ہے جن مقامات پر آپ نے فنی نقائص کی نشاندہی کی ہو وہ شاعر موصوف کی نظر میں ہوں۔ اور وہ آپ سے متفق نہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ تصرف گستاخانہ اور جسارت بے جانہ ہوگی؟

پھر کسی مرحوم شاعر کے کلام کے متن میں درستی کا ایک طریق کار ہوتا ہے، اول قدیم ترین متون یکجا کیے جائیں، ایک بنیادی متن منتخب کیا جائے اور اس کی وجوہات بتادی جائیں جن کی بنا پر اسے بنیاد بنایا جارہا ہے، جو اس کے صحیح تر ہونے کی طرف دلیل ہوں۔ پھر اس متن سے دیگر متون کا تقابل کیا جائے۔ اور اختلافی مقامات کی وضاحت۔ ہمارے سامنے جو کاوشیں (بہ سلسلہ کلامِ رضا) منظر عام پر آئی ہیں وہ اس قدر بھونڈے انداز میں عمل پذیر ہوئی ہیں کہ وہ تحقیق و تدوین کے نام پر بدنما داغ ہیں۔ ان میں ایک علامہ شمس بریلوی کی ہے دوسری علامہ بشیر حسین ناظم کی۔ دونوں نے کسی اصول اور ضابطے کے بغیر سب کچھ کر دکھایا ہے۔

رباعی ایک مشکل صنفِ سخن ہے۔ فنی اعتبار سے اس کی ہیئت پر گرفت اور دسترس رکھنا بڑا دشوار ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں رباعی (کافی تعداد میں) کہہ کر اپنی غیر معمولی فنی

مہارت اور قدرت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کی رباعیات خصوصاً نظمِ معطر کی رباعیات۔ جس کی ہر رباعی میں ردیف "عبدالقادر" ہے اور حمد، نعت اور منقبت اسی ردیف میں تخلیق کردہ ہیں۔ پھر اسی ردیف میں رباعیِ مستزاد کی ہیئت بھی شریک ہو جاتی ہے۔ ان میں قافیہ کا التزام حروفِ ابجد کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ یہ رباعیات حدائق بخشش حصہ دوم کے صفحات ۴۹ سے ۵۸ تک، پر پھیلی ہیں[۷۴]۔

حضرتِ غالب جیسا عظیم استاد شاعر بھی رباعی کہنے پر آتا ہے تو قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ سید اولاد حسین شاداں بلگرامی اپنی شرح میں "تسامحات و زلاتِ غالب" کے عنوان کے تحت وزنِ عروضی کی غلطی میں لکھتے ہیں

"رباعیِ ذیل جس طرح نقل کی جائے گی اوسی طرح اون کے زمانہ کے چھپے ہوئے دیوانوں اور کتب خانۂ ریاست رام پور میں اون کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اور تصحیح کیے ہوئے دیوانوں میں لکھی ہے"[۷۵]

دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب　　　دکھ جی کو پسند ہو گیا ہے غالب

سونا سوگند ہو گیا ہے غالب　　　واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں

"جنابِ عرشی، ناظم کتب خانۂ ریاست رامپور فرماتے ہیں ـــــ سب میں (رک رک) بتکرار ہے جس سے وزن میں ایک سببِ خفیف بڑھ جاتا ہے غالب ایسا شخص چوک گیا"[۷۶] نظم نے جب اپنی شرح میں یہ اعتراض کیا تو بعض چھاپنے والوں نے ایک "رک" نکال کے چھاپا اور وزن میں لے آئے مگر وزن کا عیب دور کر کے بے معنی ہونے کا عیب پیدا کر دیا کیوں کہ رکنا اور بند ہونا مترادف المعنی ہے ـــــ رک رک کر بند ہونے کے معنی تو ہیں کہ رفتہ رفتہ"[۷۷]

غلام رسول مہر نے دیوان غالب کی جو شرح تحریر فرمائی ہے اس میں انھوں نے دوسرا مصرع اس طرح دیا ہے "دل، رک کر، بند ہو گیا ہے غالب" اور معنی دیے ہیں "دل کی حرکت رکتے رکتے بالکل ختم ہو گئی ہے"[۷۸]۔

حامد حسن قادری لکھتے ہیں "میرے نزدیک اس غلطی کو غالب سے منسوب کرنے کے لئے علاوہ ان خارجی دلیلوں کے، ایک ثبوت اس غلطی کے اندر ہی موجود ہے۔ اس موقع کے لئے محاورہ "رک رک کر" ہی ہے، (رک کر) نہیں ہے۔ غالب کے ذہن میں یہ مضمون صحیح روز مرہ کے ساتھ آیا اور

انھوں نے بغیر کسی فکر کے وہ مصرع موزوں کر دیا۔ مصرع نہایت بے تکلف، برجستہ اور چسپاں تھا کوئی لفظ گھٹ بڑھ نہیں سکتا تھا انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ وزن کے اندر آگیا۔ ذرا سی زیادتی اور اس کی ناموزونیت کا احساس نہ ہوا[79] "مالک رام نے لکھا "اصل میں "رک" کی تکرار ہے۔ جو ظاہرا کتابت کی غلطی ہے[80] "اس پر قاضی عبدالودود نے اظہار خیال فرمایا "غالب اتنے بڑے عروضی نہ تھے کہ ان سے غلطی کا احتمال ہی نہ ہو، اور دیوان کے کل مطبوعہ اور خطی نسخوں میں، جن میں یہ رباعی ہے، بہ شمول نسخۂ لاہور اور بہ استثنائے نسخۂ مرتبۂ موصوف، دو "رک" موجود ہیں[81]۔"

صبا شاگردِ خواجہ آتش، کا شعر ہے ؎

"دلایا گیا فاتحہ جام پر
ہوا میکدے میں پیالہ ہمارا"

پہلا مصرع بقدر دو حرفوں کے وزن سے کم ہے دوسرا مصرع قافیہ و ردیف کی وجہ سے پوری غزل میں یکساں ہے بالکل ایسا ہی ریاض خیر آبادی کا یہ شعر ہے ؎

ریاض اور ہی رنگ میں مست ہیں
سنا ہے پیالہ پیا ہے کسی کا

ریاض کے دیوان (ریاضِ رضوان) میں ردیف (ی) کی ایک غزل اسی بحر کی ہے اس میں متعدد پہلے مصرعوں میں یہ عیب پیدا ہو گیا ہے "سیماب اکبر آبادی فنِ عروض کے بڑے ماہر ہیں اور شاعری کے بڑے صنّاع ہیں ان سے بھی ایک جگہ عروضی سہو ہو گیا ہے میں نے "صنّاع" اس لئے کہا کہ انھوں نے اپنے دیوان (کلیمِ عجم) میں ایک غزل اس صنعت کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کا ہر مصرع دو وزنوں میں پڑھا جا سکتا ہے لیکن کسی اتفاق سے صرف مقطع کے پہلے مصرع میں یہ کاریگری باقی نہیں رہی۔ مقطع یہ ہے

فصلِ رنگیں کا ہوا سیماب اثر جلوہ نما
اڑ کے پروانہ گیا شمعِ فروزاں کی طرف

وہ دو وزن یہ ہیں

۱۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ۲۔ فاعلاتن فَعِلاتن فَعِلاتن فَعِلن

سیماب صاحب کے مقطع کا پہلا مصرع صرف پہلے وزن میں پڑھا جاسکتا ہے دوسرے وزن کے مطابق نہیں ہے ذرا سا تغیر ہو جائے تو دونوں طرح موزوں ہو جائے گا مثلاً یہ صورت ہو ع

فصلِ رنگیں کا ہے سیماب اک اثر جلوہ نما

میں سیماب صاحب کی اس غلطی کو ایک مضمون میں پہلے لکھ چکا ہوں جس کو سیماب صاحب نے اپنے رسالہ "شاعر" میں شائع فرمایا تھا۔ لیکن اس کو اپنی غلطی تسلیم نہیں کیا تھا۔ رسالہ میں اس پر نوٹ لکھا تھا کہ ان کا مصرع درست ہے دوسرے وزن میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ میرے پیش کردہ مصرع کو تقطیع سے خارج بتایا تھا۔ لیکن ان کی رائے غلط ہے۔ ان کا مصرع ایک وزن میں پڑھا جاتا ہے اور میرا دونوں میں۔ اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے لیکن میں سیماب صاحب کو غلطی کے اصرار پر معذور سمجھتا ہوں کہ یہ بات بھی انسان ہی سے ہوتی ہے [۸۲]۔

ہم نے سیماب صاحب اور قادری صاحب کے مصرعوں کی دونوں اوزان میں تقطیع کی تو پتہ چلا کہ قادری صاحب کا مؤقف درست ہے سیماب کا مصرع صرف بحر رمل مثمن محذوف یعنی وزن نمبر ایک میں ہی پڑھا جاسکتا ہے بحر رمل مثمن، مخبون مقصور یا محذوف یعنی وزن نمبر دو میں نہیں۔ اور قادری صاحب کا دیا ہوا مصرع دوسرے وزن میں اگر (اک) نکال دیں تو بآسانی پڑھا جاسکتا ہے ورنہ (اک اور اثر) کے (الف) گرانے پڑیں گے۔ بہر کیف ان کا مصرع دونوں اوزان میں پڑھا جاسکتا ہے۔

"اسی طرح جناب جوش ملیح آبادی سے ایک نظم میں بالکل ایسی ہی غلطی ہوئی ہے جیسی مرزا عزیز بیگ صاحب سہارنپوری کی تضمین میں ہے۔ جوش صاحب کے مجموعۂ کلام "نقش و نگار" کی پہلی نظم ایک ترجیع بند مخمس ہے اس کی بحر میں بھی۔۔۔۔ جوش صاحب سے یہ غلطی ہو گئی کہ ان کی نظم میں پہلے بند کے پہلے تین مصرعے ایک بحر (متقارب) میں ہیں اور چوتھا مصرع دوسری بحر (متدارک) میں پہلا بند یہ ہے۔

یہ کون اٹھا ہے شرماتا، رین کا جاگا، نیند کا ماتا
نیند کا ماتا، دھوم مچاتا انگڑائیاں لیتا، بل کھاتا
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

چوتھے مصرعے میں مزید عیب یہ ہے کہ بحر متدارک میں اس وقت پڑھا جاسکتا ہے جب

(انگڑائیاں) میں سے آخر کے (ان) دونوں گرا دیے جائیں۔ نون غنہ تو گرا ہی کرتا ہے لیکن اس سے پہلے کا الف گرانا نہایت مکروہ و معیوب ہے پہلے بند کے بعد بعض بند ایک بحر میں، بعض دوسری میں ہیں۔ دونوں کا ایک ایک بند نقل کیا جاتا ہے۔

رخ پر سرخی ، آنکھ میں جادو بھینی بھینی بر میں خوشبو
بانکی چتون ، سمٹے ابرو نیچی نظریں ، بکھرے گیسو
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

ڈوبا ہوا رخ تابانی میں انوار سحر پیشانی میں
یا آب گہر طغیانی میں یا چاند کا مکھڑا پانی میں
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

ناظرین کو وزن اور تقطیع کے جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں اوپر کے پہلے بند کا پہلا مصرع اور دوسرے کا دوسرا مصرع لیکر ایک شعر فرض کر لیں اور پڑھ کر دیکھ لیں مثلاً

رخ پر سرخی آنکھ میں جادو
انوار سحر پیشانی میں

یہ دونوں ایک بحر میں نہیں ہیں ایک مبتدی بھی پڑھتے ہی محسوس کر لے گا۔ ایک نظم میں یہ اختلاف بحر یا مصرع کی کمی شاعر کے لئے بے شک عیب ہے "لیکن بہر حال ان اتفاقی فرد گزاشتوں سے اس کے شاعرانہ کمالات اور کارناموں پر پانی نہیں پھر سکتا ورنہ مرزا غالب، صبا لکھنوی، ریاض خیر آبادی، سیماب اکبر آبادی سب پر حرف آتا ہے"[۸۳]

لیکن ان تسامحات و اغلاط کے باوجود کسی شاعر کا مقام بلند فرو نہیں ہوا اور نہ بعد میں آنے والے کسی شاعر یا ادیب نے یہ انتہائی قدم اٹھایا کہ وہ ان نقص گرفتہ مصرعوں یا اشعار میں ترمیم یا تحریف کر دے۔ وہ آج بھی ان کے کلام میں اسی طرح موجود ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت ہی کے نام لیواؤں کو جرأت ہے کہ وہ ان کا نام بھی لیتے ہیں اور یہ ستم بھی ڈھاتے ہیں۔

اب ہم، خوانِ رحمت کا ایک طالب علمانہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے اور جہاں جہاں تغیر و ترمیم یا تحریف کا عمل روا رکھا گیا ہے، ان مقامات کا تقابلی مطالعہ کر کے دیکھیں گے کہ واقعی ان شعروں

یا مصرعوں میں کسی تبدیلی کی ضرورت تھی؟ یا محض کلامِ رضا کو تختۂ مشقِ ستم بنایا گیا ہے اور اپنے علم و فن کی نمائش کی گئی ہے۔

جنابِ تائب نے "خوانِ رحمت" میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ناقدینِ فن کو "کلامِ رضا" پر فنی اعتبار سے اعتراض تھے اور ناظم کی تضمین سے "وہ اعتراض رفع ہو گئے ہیں"[۸۴] اور ناظم کے ترمیم کردہ مصرعوں کو صحیح قرار دے کر، انھیں مزید اس کام کی ترغیب دی ہے اور قدیم و مروج مصرعوں کو غلط (صحیح کے بالمقابل غلط ہی ہوتا ہے)۔ فنی اعتراض کے تحت جو مصرعے تبدیل کئے ہیں وہ یہ ہیں

نمبر شمار	اصل مصرع بموجب نسخۂ قدیم	ترمیم شدہ شکل "خوانِ رحمت" میں
۸۵/۲	گلِ باغ رسالت پہ لاکھوں سلام	وردِ باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
۵۱۔	نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام	ملح آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
۸۴	برکاتِ رضاعت پہ لاکھوں سلام	انتقائے رضاعت پہ لاکھوں سلام
۱۱۷۔	حسنِ مجتبیٰ، سید الاسخیا	وہ حسن مجتبیٰ، سید الاسخیا
۱۶۱۔	گلِ روضِ ریاضت پہ لاکھوں سلام	وردِ روضِ ریاضت پہ لاکھوں سلام

اب وہ مصرعے جو اسی وزن پر ہیں اور ان کو تبدیل کیا گیا ان میں مزعومہ فنی نقص، معلوم نہیں، خود بخود رفع ہو گیا یا ان میں تغیر ممکن نہ ہوا

۴۔ شب اسرا کے دولہا پہ دائم درود

۶۹۔ سبب ہر سبب، منتہائے طلب

۶۷۔ حجر اسود کعبہ جان و دل

حضرت شمس بریلوی نے حدائق بخشش کا تحقیقی اور ادبی جائزہ لیا تو لکھا

"حقیقت نگاری اور عقیدت طرازی، دو الگ الگ راستے ہیں، حقیقت کو عقیدت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے اور عقیدت، حقیقت کی نگاہوں میں اکثر بے مایہ و بے اعتبار ہو جاتی ہے۔۔۔۔ میں اس محاسبہ کے لئے تیار ہوں کہ میں نے عقیدت کے سامنے سر جھکایا ہے یا حقیقت نے عقیدت کو آئینہ دکھایا ہے۔۔۔۔ آپ یقین فرمائیے کہ میں نے عقیدت و ارادت کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اور میرے قلم نے عقیدت کے سامنے سر نہیں جھکایا ہے یہ دوسری بات ہے۔۔۔۔ کہ اس وحیدِ عصر

اور یگانہ روزگار کی بے مثال نعتیہ شاعری میں باعتبار زبان و بیان مجھے کہیں کوئی سقم نظر نہیں آیا اور مجھے کہیں یہ کہنے کا موقع نہیں ملا کہ فن شاعری کے اعتبار سے حضرت رضا قدس سرہ کے کلام میں یہ سقم یا یہ خامی موجود ہے"[۸۶]

یہ اور بات ہے کہ جائزہ کے بعد جب "حدایق بخشش" کو مرتب کیا تو اپنے قول مذکور کے برعکس تحریفات پر اتر آئے اور کئی اشعار حذف بھی کر ڈالے یہ تو بریلوی شہادت تھی آپ اسے باآسانی رد کر سکتے ہیں۔ خواجہ عابد نظامی نے ذاتی حوالے سے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔

"مولانا برصغیر پاک و ہند میں اس تحریک کے داعی اور اس نصب العین کے علمبردار تھے جس نے ایک خاص وقت میں عشق رسول کا نعرہ بلند کیا۔ مولانا کے مسلک سے اختلاف کرنے والے ممکن ہے آپ کو بہت سے حضرات ملیں، لیکن یہ ناممکن ہے کہ ان کے کمال نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو (اب وہ افراد بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ کعبی) مولانا کی نعت گوئی میں دو رائیں ممکن ہی نہیں۔ ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن کم از کم مجھے آج تک (پڑھے لکھوں میں) مولانا کی نعت گوئی سے اختلاف کرنے والا کوئی نہیں ملا۔ اس بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی سن لیجئے۔

غالباً ۱۹۵۹ء کا ذکر ہے مجھے ملتان میں یوم حسین (رضی اللہ عنہ) کی ایک تقریب میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔ یوم حسین (رضی اللہ عنہ) کا یہ جلسہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا اور اس میں شرکت کے لئے دور دور سے اہل علم تشریف لائے۔ شرکائے جلسہ کو مختلف جگہوں پر ٹھہرایا گیا۔ مولانا ماہر القادری، مولانا محمد جعفر ندوی پھلواروی اور کوثر نیازی چاروں مولانا باقر خان امیر جماعت اسلامی ملتان کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ رات کو سونے سے قبل یہ دلچسپ مذاکرہ چھڑ گیا کہ اردو کا سب سے بڑا نعت گو شاعر کون ہے؟ اردو کے بڑے بڑے شاعروں کے اشعار مقابلے میں پیش ہونے لگے، کافی دیر تک یہ مباحثہ جاری رہا بالآخر اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے اچھے نعتیہ اشعار (زیادہ تعداد میں) اردو کے کسی شاعر نے نہیں کہے۔ میں اس وقت تک مولانا کے نام سے ضرور واقف تھا، مگر کلام سے زیادہ واقف نہ تھا، بعد میں ان کا مجموعہ کلام، حدایق بخشش، دیکھا تو اس بات کی تصدیق ہو گئی"[۸۷]

یہ سبھی جانتے ہیں کہ ماہر القادری، جعفر ندوی، اور کوثر نیازی اعلیٰ حضرت کے مسلک سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لئے ان کی شہادت زیادہ معتبر ہے کہ اس میں عقیدت کا شائبہ تک شامل نہیں۔

ماہر زبان و بیان اور فن شعر و سخن میں بھی ماہر تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان و ادب کے نامور محقق، نقاد، مورخ اور دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ طرز انشاپرداز ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

"آپ کی نعتیہ شاعری (حدایق بخشش) کو سامنے رکھیں تو یہ کوئی روایتی اور رواجی شاعری نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے شاعر کا کلام ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے عشق میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ آپ کے دیوان حدایق بخشش کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات ماننا پڑے گی کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے نہایت خوبصورت انداز میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی زندگی کو پیش کیا ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ نعت کی دنیا میں آج تک ایسا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا جو امام احمد رضا خاں بریلوی کے مقابل میں کھڑا ہو سکے"[۸۸] کالی داس گپتا رضا نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل کا داغ، امیر اور غالب کی غزل سے تقابلی مطالعہ کے بعد لکھا

"مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا اس طرح عوام نے انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سے غور و فکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل و دماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ نہیں معلوم کہ انھوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم ان کے کلام سے ان کے کامل، صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں[۸۹]"

ڈاکٹر وحید اشرف لکھتے ہیں

"امام احمد رضا کا کلام پڑھ کر یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے شاعری محض اس لئے نہیں کی تاکہ ان پر "نصف عالم" کا الزام نہ لگ سکے اور نہ محض مشق سخن یا تفنن طبع کے طور پر انھوں نے اشعار لکھے ہیں بلکہ شاعری کا ملکہ ان کو قدرت نے پوری طرح ودیعت کیا تھا اور وہ فن شاعری میں فکر و شعور کی پختگی کے حامل تھے یہی نہیں۔۔۔۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں داد دی ہے۔۔۔۔۔ امام احمد رضا کی قادر الکلامی کا انداز وہاں ہوتا ہے جہاں سنگلاخ زمین کو موم اور سخت ردیف کو پانی کیا ہے ایسی ردیفوں سے نعتیہ کلام میں عہدہ برآ ہونا مشکل تر ہوتا ہے۔۔۔۔ اپنی تمام تر خاکساری کے باوجود

امام احمد رضا کو شاعری میں اپنے فن کی مہارت کا خود احساس تھا، اور کوئی بھی ماہر فن اس احساس سے عاری نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

اگرچہ اس طرح کے اقوال مذہب شاعری میں جائز ہیں لیکن امام احمد رضا کا قول محض روایتی نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہے[90]"

جناب ناظم نے جن کی پیروی میں دو قدم آگے بڑھائے ہیں، ان کی شہادت ہم نے پیش ازیں پیش کر دی ہے اور جن مصرعوں میں ناظم و تائب کو فنی نقص نظر آیا ہے وہ مصرعے جناب شمس کے مرتبہ "حدایق بخشش" میں بھی اسی طرح ہیں۔ صرف ایک مصرع میں تبدیلی کی ہے۔ شعر ۱۱۷ میں "حسن مجتبیٰ" سے پہلے "وہ" کا اضافہ کر کے "وہ حسن مجتبیٰ" لکھا ہے۔ اور یہ تبدیلی بھی واضح کر رہی ہے کہ ترمیم غلط ہوئی ہے۔ اور جناب ناظم نے بھی یہی مصرع خوان رحمت میں دیا ہے، اب ان تمام مصارع کا، جن میں تبدیلی روا رکھی گئی ہے۔ جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کا قصیدہ سلامیہ "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" بحر متدارک میں ہے "اس کا اصلی وزن فاعلن آٹھ بار ہے۔ ارکان سالم میں اشعار بہت کم کہے جاتے ہیں[91]"

"اس کے عروض و ضرب چھ قسم کے آئے ہیں۔ سالم۔ مخبون۔ مذال۔ مقطوع۔ مخبون مسکن۔ مخبون مرفل[92]۔

فاعلن کے نو (۹) فروع ہیں

۱۔ فَعِلن	عین مکسور	مخبون
۲۔ فِعْلن	عین ساکن	مقطوع
۳۔ فاعلان	———	مذال
۴۔ فَعَل	عین کو زبر۔ لام ساکن۔	(مخلع)
۵۔ فَعِلان	عین کو زیر۔ مخبون مذال۔	(مرکب)
۶۔ فِعْلان	عین ساکن مقطوع مذال۔	مرکب

۷۔ فع　　　　　　　　　　　　　احذم

۸۔ فاعلاتن　　　　　　　　　　　مرفل

۹۔ فَعِلاتن　　　　عین کو زیر۔　　　　مخبون مرفل (مرکب)[۹۳]

فاضل بریلوی نے بحر متدارک مثمن کا انتخاب کیا ہے۔ آٹھ رکنی بیت کے اجزا کی صورت یوں بنتی ہے۔

پہلا مصرع: صدر۔ حشو۔ حشو۔ عروض

دوسرا مصرع: ابتدا۔ حشو۔ حشو۔ ضرب

قصیدہ سلامیہ کے مطلع (پہلے دو مصرعوں) میں عروض و ضرب مذال ہیں اور بعد میں ہر دوسرا مصرع جو مردف ہے، کا رکنِ آخر مذال ہے۔

مذال، رکن مزاحف کا نام ہے جس میں "اذالہ" کا زحاف استعمال کیا گیا ہو۔ "اذالہ" رکن کے آخر میں وتد مجموع کے حرفِ آخر سے پہلے الف کے زیادہ کرنے کا نام ہے جیسے فاعلن سے فاعلان۔ یہ بحرِ متدارک، بحرِ رجز، بحرِ کامل اور بحرِ سریع میں استعمال ہوتا ہے۔ صدر و ابتدا میں اس کا استعمال ناجائز، حشو میں کمتر اور عروض و ضرب میں زیادہ ہے۔

مطلع کے بعد درج ذیل اشعار کے مصارعِ اولیٰ کے عروض میں اس زحاف سے کام لیا گیا ہے شعر نمبر ۲، ۴، ۵، ۶، ۸، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۵، ۳۹، ۴۰، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۵، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۴، ۶۵، ۶۸، ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۹، ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۰[۹۴]۔

۳۴۲ مصرعوں میں سے ۲۶۸ مصرعوں کے عروض و ضرب مذال آئے ہیں۔

قصیدہ کے درج ذیل اشعار کے مصارع اولیٰ میں ' فاعلن ' سالم استعمال ہوا ہے۔

شعر نمبر: ۳، ۷، ۹، ۱۰، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۵۰،

۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۸، ۶۳، ۶۶، ۶۹، ۷۲، ۷۷، ۷۸، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۷، ۹۶، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۱۔

۳۴۲ مصرعوں میں سے ۱۷ مصرعے متدارک مثمن سالم کے وزن "فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن" پر ہیں۔ کچھ مصرعوں کا رکن اول مخبون آیا ہے اور زحاف خبن صدر وابتدا دونوں مقامات پر استعمال کیا گیا ہے اور اسی کو فنی نقص کی بِنا بنایا گیا ہے۔

یہ کل آٹھ مصرعے ہیں چار مصرع اولیٰ اور چار مصرع ثانی۔ پانچ میں تبدیلی کی گئی اور تین۔۔۔۔۔ دیکھنا یہ ہے کہ خبن کے زحاف سے کیا تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ خبن کا زحاف جب فاعلن پر داخل ہوتا ہے تو دوسرا حرف ساکن یعنی الف کو گرادیتا ہے۔ الف ساکن گرنے کے بعد فَعِلن (عین مکسور) رہ جاتا ہے۔

خبن کا زحاف شعر کے کسی حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ صدر وابتدا میں بھی آسکتا ہے، عروض و ضرب میں بھی اور درمیان میں بھی۔ یہ آٹھ مزعومہ فنی نقص کے حامل مصرعوں کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

شعر نمبر ۲، ۵۱، ۸۴، ۱۶۱ کے مصارع ثانی میں ارکان کی ترتیب یوں ہے۔

ابتدا۔ مخبون __ حشو + حشو = سالم __ ضرب = مذال

شعر نمبر ۴ کا مصرع اولیٰ بھی درج بالا وزن میں ہے۔ شعر ۲۹، ۶۷ اور ۱۱۷ کے مصارع اولیٰ میں ترتیب ارکان اس طرح سے ہے۔

صدر ___ مخبون، حشو + حشو + عروض ___ سالم

اب وہ شعر، جس میں فنی نقص کے باعث تحریف کی گئی ہے، اس کی تقطیع کر کے دیکھ لیں اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گُلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

تقطیع: مہ رچر_ فاعلن o خے نبو_ فاعلن o وت پرو_ فاعلن o شن درود_ فاعلان

گُلِ باٗ_ فَعِلُنْ (عین مکسور) o غے رسا۔ فاعلن o لت پلا۔ فاعلن o کھو سلام۔ فاعلان

مصرع اولیٰ کا رکن آخر مذال ہے باقی تمام ارکان سالم

مصرع ثانی میں رکن اول مخبوں رکن آخر مذال اور حشو سالم

اسی اصول پر ان تمام مصارع کی تقطیع کر کے دیکھ لیں کوئی مصرع وزن سے خارج نہیں اور کہیں کوئی فنی نقص نہیں۔ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ متدارک کے پہلے رکن میں خبن کا زحاف نہیں آتا تو متدارک مخبون یا مقطوع کی مثالیں عروض کی سبھی کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جنابِ قدر بلگرامی نے متدارک کے ایک وزن کی تفصیل یوں دی ہے۔

شعر مربع o صدر= سالم، ابتدا= مخبون، عروض و ضرب= مذال

فاعلن فاعلان فعلن فاعلان

غردی یاحمام لیطیب الهیام

تقطیع = غردی۔ فاعلن + یاحمام۔ فاعلان

لیطی۔ فعلن + بل ہیام۔ فاعلان

۹۵

اس شعر میں مختلف مزاحف ارکان کا اجتماع ہوا ہے۔

ا۔ صدر۔ سالم

۲۔ ابتدا۔ مخبون

۳۔ عروض و ضرب۔ مذال

اعلیٰ حضرت نے بحر متدارک کو ہشت رکنی استعمال کیا ہے ان کے اشعار میں بھی مزاحف ارکان کی صورت حال بعینہٖ یہی ہے۔-----

ہم اس کاوش ناتمام سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ "جناب غلام مصطفیٰ امجدی صاحب ایم اے" کا اس سیاق میں لکھا گیا مضمون "کلام رضا کی اصلاح، ایں چہ بوالعجبی ست؟" نظر نواز ہوا۔

"سلام کا وزن" پر محترم رقم طراز ہیں۔

"اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا سلام بحر متدارک سالم کے وزن پر ہے اور بقول جناب

سیماب اردو میں یہ بحر مستعمل نہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی شعری مہارت نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے اس بحر میں "سلام" جیسا عظیم الشان اور محبت افروز کلام پیش کیا، اور بہت سے شعرا کے لئے تضمینوں کی صورت میں راہیں کھول دیں۔

بحر متدارک سالم یہ ہے۔ فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

اسی وزن پر مذکورہ مصرعوں کی تقطیع کی جائے تو بالکل پورے اترتے ہیں مثلاً گل با۔ فاعلن، غ رسا۔ فاعلن، لت پہ لا۔ فاعلن، کھوں سلام۔ فاعلن

نمک آ۔ فاعلن، گیں ملا، فاعلن، حت پہ لا۔ فاعلن، کھوں سلام۔ فاعلن

برکا۔ فاعلن، ت رضا۔ فاعلن، عت پہ لا۔ فاعلن، کھوں سلام۔ فاعلن

یاد رہے کہ "گل با" دیکھنے میں چار حروف ہیں "گ، ل، ب، ا" لیکن "ل" کی حرکت اضافت بھی ایک حرف کی آواز دیتی ہے۔ اسی طرح یہ چار حروف کا وزن پانچ حروف کے برابر متصور ہوگا، یہی وہ راز ہے جو "چشم ناظم" سے پوشیدہ رہا اور وزن پورا کرنے کے لئے حرفوں کے چکر میں الجھی رہی ع

عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی [96]

جناب امجدی صاحب نے اپنی تائید کے لئے پروفیسر حضرات کا حوالہ استعمال کیا ہے لیکن جس انداز میں مصرعوں کی تقطیع کی ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے جذبات میں آکر بہ شتاب مضمون لکھا ہے۔ دراصل نقص یا عیب تلاش کرنا آسان ہے، کسی خوبی یا ہنر کو واضح کرنا ذرا مشکل مرحلہ ہے، یہاں محنت اور مشقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر بھی انھوں نے قلبِ غیور کی آواز کو کسی مصلحت کا تو شکار نہیں ہونے دیا اور یہی بات، بڑی بات ہے۔

اب ایک بند۔ جناب شمس بریلوی کی تضمین سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

دست نازک بنے لالہ زار قبول   جھک گئی خود بخود شاخسار قبول
نکلی سج کر عروس طرحدار قبول   وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول
اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام [97]

اس بند کا تیسرا مصرع بہر صورت وزن سے خارج ہے۔ اور اسے ہم ہزار کاوش سے بھی موزوں نہیں کر سکتے۔ جناب ناظم کی ایک نعت، "نعت ممدوح حق" "سیرت طیبہ" میں، ان کے دستِ

خاص سے، ان کے سرکاری لیٹرپیڈ پر لکھی ہوئی چھپی ہے۔ جس کا مطلع ہے ۔

زاہد کو تمنا ہے فقط حور و جناں کی
ناظم ہے مگر والہ شیدائے مدینہ ۹۸

اس شعر میں (والہ) کے بعد زبردست سکتہ ہے جو اسے خارج از آہنگ و بحر کرنے کے کئے کافی ہے۔ (والہ) کے بعد یا تو "واؤ عاطفہ" آنی چاہیے یا "والہ" کی (ہ) پر ہمزہ اضافت آنا چاہیے۔ جو اس کے موزوں ہونے میں سہارا دے۔

اگلے صفحات پر جنابِ ناظم کی "خوانِ رحمت، تضمین بر سلامِ رضا" کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ جائزہ لینے کے بعد نظرِ ثانی کے دوران میں "شرحِ سلامِ رضا" پر بھی جستہ جستہ نظر ڈالی ہے۔ ہم نے اپنا دائرہ کار محدود رکھا ہے اس کے باوجود یہ بہت طویل مقالہ ہو گیا ہے۔ ہمارا مقصد (سلام رضا) کی تشریح بھی نہ تھا کہ ہمارے نزدیک "سلام رضا" کی تشریحات میں بہت سے دفاتر مرقوم ہو کر بھی اس کے مضامین کو محیط نہیں ہو سکتے۔

حوالہ جات

۱۔ فاروق القادری۔ مقدمہ انفاس العارفین۔ ص ۲۷ المعارف لاہور بار اول ۱۳۹۴ھ

۲۔ ابوالحسن زید فاروقی، شاہ۔ مقدمہ القول الجلی فی ذکر آثار الولی۔ ص ۵،۶ شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء

۳۔ رشید حسن خاں۔ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ۔ ص ۱۴۴۔۱ الفیصل اردو بازار لاہور اکتوبر ۱۹۸۹ء

۴۔ عارف محمود، مہجور، سید۔ سید احمد بریلوی کے فسانہ جہاد کی حقیقت۔ ص ۴ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۴ء

۵۔ محمود احمد برکاتی، حکیم۔ فضل حق اور سن ستاون۔ ص ۱۱۸ برکات اکیڈمی کراچی مئی ۱۹۸۷

۶۔ انتخاب قصائد حکیم قاآنی۔ ص ۲۶ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور

۷۔ انتخاب قصائد قاآنی۔ ص ۴۔ مرتبہ آقا بیدار بخت۔ پنجاب یونیورسٹی پریس ۵۴۔۱۔۱۶

۸۔ نقوش رسول نمبر جلد دھم شمارہ نمبر ۱۳۰ ص۔ ۳۷۱۔ جنوری ۱۹۸۴ء

۹۔ دیوان حکیم قاآنی شیرازی۔ ص ۱۲ سطر ۲۲ مؤسسہ چاپ انتشارات امیر کبیر ایران

۱۰۔ لطیف اللہ، پروفیسر، تصوف اور سریت۔ ص ۲۴۰ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء

۱۱۔ علی عباس جلالپوری۔ مقالات جلالپوری۔ ص ۵۸ آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۹ء

۱۲۔ ابن عربی، محی الدین۔ فتوحات مکیہ جلد اول۔ ص ۳۴۶۔ علی برادران فیصل آباد

۱۳۔ فاضل، عبدالرشید۔ علامہ اقبال اور تصوف۔ ص ۳۳۷۔ ادارہ تنویرات علم و ادب کراچی ۱۹۶۷ء

۱۴- القرآن پارہ ۵ رکوع ۴

۱۵- القرآن پارہ ۱ رکوع ۹

۱۶- مذاہب اسلام- ص ۱۰ نجم الغنی رامپوری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء

۱۷- رشید حسن خان- ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ- ص ۱۲۸، لفیصل اردو بازار لاہور ۱۹۸۹

۱۸- رشید حسن خان- ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ- ص ۱۲۹، لفیصل اردو بازار ۱۹۸۹ء

۱۹- عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب دی کہانی- ص ۳۸۴، نومبر ۱۹۷۲ عزیز بک ڈپو لاہور

۲۰- مسیح موعود اور ختم نبوت، مولوی محمد علی- ص ۱۴ دستخط نمبر ۱۳ احمدیہ بلڈنگس لاہور ۱۹۲۶ء

۲۱- شمس بریلوی، حرف آغاز، حدایق بخشش- ص ۱۲ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶

۲۲- سیرت طیبہ جلد ۳، شمارہ ۱۲، فروری اپریل ۱۹۹۴ء ص ۳۳، کراچی

۲۳- رہبر و رہنما- ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، بار سوم ۱۹۸۷ء

۲۴- جہان رضا، ماہنامہ، ص ۱۲، جلد ۱، شمارہ ۱۰، جنوری ۱۹۹۲، لاہور

۲۵- خوان رحمت، ص ۹، مرکزی مجلس رضا لاہور

۲۶- خوان رحمت، ص ۱۷، مرکزی مجلس رضا لاہور

۲۷- قصائد حسان، ۶۲ مرتبہ قاری محمد عارف و فیوض الرحمٰن، پاکستان بک سنٹر لاہور

۲۸- خوان رحمت، ص ۲۸ بند نمبر ۱۸، مرکزی مجلس رضا لاہور

۲۹- القرآن پارہ ۴ رکوع ۲

۳۰- بانگ درا، ص ۱۸۵، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع بست ہشتم، اگست ۱۹۷۱

۳۱- مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی- ص ۱۱۵ مرتبہ محمود احمد قادری مکتبہ نبویہ جنوری ۱۹۸۶ء

۳۲- عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر و پیش منظر ص ۱۱۵ ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۵ء

۳۳- قاسم محمود، سید، اسلامی انسائیکلو پیڈیا- ص ۱۳۳۱ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی

۳۴- ولی مظہر ایڈوکیٹ، عظیم قائد عظیم تحریک ص ۴۲۹، شعبہ نشرواشاعت شہری مسلم لیگ ملتان ۱۹۸۳

۳۵- عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص ۶۴۲، ادارہ ثقافت اسلامیہ طبع سوم ۱۹۸۲ء

۳۶- آصف، محمد- فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ ص ۲ مکتوب ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ مطبع اہلسنت و جماعت بریلی بار دوم

۳۷- فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، ص ۴ مطبع اہلسنت و جماعت بریلی بار دوم

۳۸- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر- حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۶۱-۶۰ اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ بار اول

۳۹- فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، ص ۵ سطر ۳ مطبع اہلسنت و جماعت بریلی بار دوم

۴۰- فقیر محمد جہلمی، مولوی، حدایق الحنفیہ، ص ۴۲۰ سطر ۱۳ منشی نولکشور پریس لکھنو بار سوم اکتوبر ۱۹۰۶ء

۴۱- فقیر محمد جہلمی، مولوی، حدایق الحنفیہ، ص ۴۲۱-۲۲ مطبع منشی نولکشور پریس لکھنو بار سوم اکتوبر ۱۹۰۶

۴۲- اعلام، الطبعہ السابعہ ۱۹۷۶ الجزء الاول دار العلوم للملایین بیروت

۴۳- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر- حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۱۶۱ حاشیہ، بار اول ۱۹۸۱ء اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ

۴۴- شمیم احمد- اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۱۸۷ مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۳
۴۵- قادری، حامد حسن، نقد و نظر، ص ۵۹،۵۸ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۶
۴۶- صدیقی، حفیظ، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات ص ۱۴ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد جولائی ۱۹۸۵ء
۴۷- ارشد، ارشاد احمد، تضمینات اقبال صحیفہ (سہ ماہی) ص ۴۱، ۴۰، شمارہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء
۴۸- صدیقی، حفیظ، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات ص ۱۴ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۶
۴۹- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، تقریظ، خوان رحمت ص ۵ مرکزی مجلس رضا لاہور
۵۰- کشاف تنقیدی اصطلاحات ص ۱۴ ایڈیشن مذکور
۵۱- شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں ص ۱۸۷ ایڈیشن مذکور
۵۲- ارشد، ارشاد احمد، صحیفہ (سہ ماہی) ص ۶۸ شمارہ ۱۷، اکتوبر ۱۹۶۱ء
۵۳- نقد و نظر، ص ۶۴ ایڈیشن مذکور
۵۴- نقد و نظر، ص ۸۶ ایڈیشن مذکور
۵۵- نقد و نظر، ص ۷۳ ایڈیشن مذکور
۵۶- نعت، ماہنامہ، ص ۸۶ مارچ ۱۹۹۴، لاہور
۵۷- نعت، ماہنامہ، ص ۲۹ مارچ ۱۹۹۴، لاہور
۵۸- نعت، ماہنامہ، ص ۴۲ مارچ ۱۹۹۴، لاہور
۵۹- شہیدی، کرامت اللہ، دیوان ص ۸۹ نولکشور لکھنو بار چہارم ۱۹۱۳
۶۰- رضا بریلوی، مولانا احمد رضا خاں، حدایق بخشش حصہ سوم مطبوعہ پہلی بھیت اللہ، ص ۵۸ (فوٹو سٹیٹ)
۶۱- حدایق بخشش مذکور، ص ۷
۶۲- حدایق بخشش مذکور، ص ۷
۶۳- اختر الحامدی "میلاد النبی" سے منسلک تضمین کے چند بند، ص ۴۶، مکتبہ فریدیہ ساہیوال
۶۴- نقد و نظر، ص ۱۰۱ ایڈیشن مذکور
۶۵- تصوف، سہ ماہی، ص ۷۳، جنوری مارچ ۱۹۹۴، کراچی
۶۶- القرآن- پارہ ۳۰ رکوع ۱،۱۶-۲
۶۷- تصوف سہ ماہی ص ۷۳ شمارہ جنوری مارچ ۱۹۹۴ کراچی
۶۸- حفیظ تائب، پروفیسر، پیشوائی، خوان رحمت، ص ۱۹، مرکزی مجلس رضا، لاہور
۶۹- یہ نام "نقطہ" ہے
۷۰- حفیظ تائب، پروفیسر- پیشوائی "دیں ہمہ اوست" ص ۱۴
۷۱- ضیاء الدین علوی، امروہوی، مراۃ الانساب، مطبع رحیمی، جے پور انڈیا ۱۹۱۷
۷۲- توکلی، نور بخش، علامہ، سیرت رسول عربی، ص ۱۰۷، تاج کمپنی لاہور سال ندارد
۷۳- حفیظ تائب، پروفیسر، خوان رحمت، ص ۱۹ ایڈیشن مذکور
۷۴- حدایق بخشش حصہ دوم، حسنی پریس بریلی
۷۵- شاداں بلگرامی، روح المطالب فی شرح دیوان غالب، ص ۲۶ شیخ مبارک علی ناشر و تاجر کتب لاہور اشاعت اول دسمبر ۱۹۶۷

۷۶- غالب- کتاب مذکور- ص ۲ ۶۱- ایڈیشن مذکور

۷۷- شادان، بلگرامی- کتاب مذکور- ص ۲۶- ایڈیشن مذکور

۷۸- مہر، غلام رسول- نوائے سروش- ص ۷۰- ۸۶۹ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

۷۹- قادری، حامد حسن- نقد و نظر ایڈیشن مذکور، ص ۱۱۰

۸۰- ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، ص ۱۶۸، رشید حسن خاں، الفیصل، لاہور

۸۱- کتاب مذکور، حاشیہ صفحہ ۱۶۸

۸۲- قادری، حامد حسن، نقد و نظر مذکور ص ۱۱۲

۸۳- نقد و نظر، ص ۱۱۳- ایڈیشن مذکور

۸۴- خوان رحمت، ص ۱۹- ایڈیشن مذکور

۸۵- مصرعوں کے شمار نمبر حدایق بخشش مطبوعہ حسنی پریس بریلی کے مطابق ہیں۔

۸۶- شمس بریلوی، کلام رضا کا تحقیقی اور ادبی جائزہ، ص ۱۲ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۸۷- عابد نظامی- مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی، ضیائے حرم، ماہنامہ، ص ۵۰، ۴۹ جنوری ۱۹۸۳ لاہور

۸۸- جمیل جالبی- ڈاکٹر- جہان رضا ستمبر ۱۹۹۱ ص ۱۲ مرکزی مجلس رضا لاہور

۸۹- رضا، کانی داس گپتا، انوار رضا، ص ۶۰۷ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۶

۹۰- وحید اشرف ڈاکٹر- انوار رضا ص ۹۰- ۵۷۷

۹۱- حمید، عظیم آبادی- میزان سخن، ص ۸۲ شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی بار اول ۱۹۸۶

۹۲- قدر، بلگرامی، غلام حسنین، قواعد العروض ص ۲۲۴ مقبول اکیڈمی لاہور

۹۳- میزان سخن مذکور- ص ۵۹

۹۴- اشعار کی یہ ترتیب و شمار نمبر حسنی پریس بریلی کی مطبوعہ حدایق بخشش کے مطابق ہے

۹۵- قواعد العروض- ص ۲۲۷ ایڈیشن مذکور

۹۶- القول السدید، ماہنامہ جلد ۴، شمارہ ۲ ستمبر ۱۹۹۴ لاہور

۹۷- شمس بریلوی، "تصوف" سہ ماہی جلد ۲ شمارہ ۱، ص ۳۸

۹۸- ناظم، بشیر حسین، "سیرت طیبہ" سہ ماہی جلد ۳، شمارہ ۱۲ فروری اپریل ۱۹۹۴، ص ۳۳

دلِ اعدا کو رضا تیز نمک کی دھن ہے

④ "خوانِ رحمت، تضمین بر سلامِ رضا"

ایک جائزہ

بند نمبر ۱

عرش صدق و امانت پہ لاکھوں سلام — خلد فہم و فراست پہ لاکھوں سلام
حق سے وجہ قرابت پہ لاکھوں سلام — "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام"

اعلیٰ حضرت کے شعر کا بنیادی موضوع اور مرکزی فکر "رحمت" ہے اور اس مناسبت سے وہ "ہدایت" کا لفظ لائے ہیں۔ ہدایت کے لغوی معنی ہیں "لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرتے ہوئے منزل تک لے جانا" اس کے برعکس ناظم صاحب نے جو تضمین کی ہے، اس میں محض Adjectives اکٹھا کرنے پر اکتفا ہے۔ (خلدِ فہم و فراست) سے ایک یوٹوپیائی تصور پیدا ہوتا ہے۔ (عرشِ صدق و امانت) اور (حق سے وجہ قرابت) کا (جانِ رحمت) سے کوئی علاقہ نہیں۔

"خوانِ رحمت" کے مطالعہ کے دوران میں، ایک دوست نے مفتی محمد خاں قادری کی "شرح سلامِ رضا" سے استفادہ کا مشورہ دیا مگر اس وقت یہ شرح دستیاب نہ ہوئی پھر اس مقالہ کے اختتام تک عمداً اس کے حصول سے گریز کیا، نظرِ ثانی میں اس کو ایک نظر دیکھنا ضروری سمجھا اور خاص طور پر لاہور سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ کیا کہ شاید مفید مطلب کوئی بات مل سکے۔ مگر، اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

جناب مفتی محمد خاں قادری صاحب کا تعارف دو ممتاز اہلِ علم و دانش کے قلمِ مرصع نگار سے ملاحظہ فرمائیے۔

"جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فارغ التحصیل، جامع مسجد رحمانیہ، شادمان، لاہور کے خطیب، حضرت

سلطان باہو ٹرسٹ کے سینئر وائس چیئرمین اور جامعہ اسلامیہ لاہور، سمن آباد، لاہور کے شیخ الجامعہ ہیں[2] " شرف قادری مزید لکھتے ہیں"ہمارے جواں سال اور عالی ہمت دوست مولانا مفتی محمد خاں قادری، سلام رضا کی شرح لکھنے میں مصروف ہیں، ان کے بعد اس عنوان پر مزید کام کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی[3] "

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری اپنے تاثرات میں رقم فرماتے ہیں۔

"اس شرح سے ایک طرف امام احمد رضا کے وسعت علم و فضل کا پتا چلتا ہے تو دوسری طرف حضرتِ شارح کی وسعتِ علم و دانش کا۔۔۔۔۔ وہ ایک ممتاز عالم دین، بے مثال معلم اور ممتاز مصنف ہیں۔ دین و مسلک کے لئے انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔۔۔۔۔امام احمد رضا نے سمندر کو کوزے میں سمویا اور حضرت شارح نے اس سمندر کو کوزے سے نکالا۔۔۔۔۔ امام احمد رضا نے آبدار موتیوں کو ڈبیوں میں بند کیا اور حضرت شارح نے بند ڈبیوں سے ایک ایک موتی نکال کر ہمارے سامنے رکھا اور نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔۔۔۔۔ فقیر بھی دلی مبارکباد پیش کرتا ہے[4] "

گمان غالب ہے کہ دونوں حضرات نے "شرحِ سلامِ رضا" کا مطالعہ کیے بغیر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مفتی صاحب"سلامِ رضاؔ کی شرح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر پڑھنے والا اس کے معانی و مفاہیم اور اس کے ہر شعر کے پس منظر اور اس میں بیان کردہ عظیم واقعہ سے آگاہ ہو تو ذوق اور دوبالا ہو جائے اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زیر نظر (؟) کوشش کی گئی ہے[5] "

اسی پس منظر کو جاننے کے لئے ہم نے بھی "شرح سلام رضا" کا مطالعہ کیا اور جو تاثر، ہمارے قلب و ذہن پر نقش ہوا، قلم نے اسے بھی ان اوراق پر ہویدا کر دیا۔ اس طرح "خوانِ رحمت" کے جائزہ کے ساتھ "شرحِ سلامِ رضا" سے بھی جستہ جستہ ایک جائزہ "خوانِ رحمت" پر چن دیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مفتی صاحب فرماتے ہیں

"بزم ہدایت" سے جماعت انبیا علیہم السلام مراد ہے۔۔۔۔اس پہلے شعر میں آپ کے تین خصائص۔۔۔۔منتخب ہونا، سراپا رحمت ہونا اور تمام انبیا کے سردار ہونے کا ذکر ہے۔ داد دیجئے امام اہل محبت کو کہ ابتدائی شعر میں ایسے خصائص کا انتخاب کیا جو آپ کے کمالاتِ عالیہ پر دال ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی تخلیق کائنات میں سب سے پہلے ہوئی اور باقی مخلوق آپ کے صدقہ میں معرض وجود میں آئی یعنی آپ باعثِ ایجادِ کائنات ہیں"[6]

مفتی صاحب کے ترجمہ و تشریح پر نگاہ ڈالیں تو "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ عام طور پر علماء کو شعر فہمی سے معذور سمجھا گیا ہے اور یہ بات "شرحِ سلامِ رضا" سے ایک بار پھر ثابت ہو گئی ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ مفتی صاحب اس کلام کی تشریح کرنے بیٹھے، جس کا ایک ایک لفظ انتخاب اور جس کی تشریح میں کئی کئی کتب تیار ہو سکتی ہیں۔ جناب محترم محمد خاں قادری، مفتی بھی ہیں اور "شیخ الجامعہ" بھی، مگر جس انداز سے "بزم ہدایت" کی وضاحت کی ہے، اس سے کوئی اچھا تاثر نہیں اُبھرتا۔

یہ درست ہے کہ "مصطفیٰ" حضور اکرم و اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا صفاتی نام ہے، لیکن قرآن مجید نے "اصطفا"، جس سے یہ لفظ "مصطفیٰ" ماخوذ ہے، کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے پیشتر بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ یہی نہیں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی اس کا استعمال نظر آتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن یرغب عن ملة ابرٰھم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا و انہ فی الاخرة لمن الصّٰلحین ۝[7]

ترجمہ :- ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے۔[8]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے "اصطفا"

قال یٰموسٰی انی اصطفیتک علی الناس برسٰلتی و بکلامی فخذ ما اٰتیتک و

کن من الشٰکرین ۝ [9]

ترجمہ :- فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے لو جو میں نے تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو [10] ۔

حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام اور، آل ابراھیم اور آل عمران کے لئے "اصطفا"

ان اللہ اصطفیٰ اٰدم و نوحا واٰل ابرٰھیم واٰل عمران علی العالمین ۝ [11]

ترجمہ :- بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراھیم کی آل اولاد اور عمران کی آل اولاد کو سارے جہان سے [12] ۔

حضرت مریم علیہا السلام کے لئے "اصطفا"

و اذ قالت الملٰئکۃ یٰمریم ان اللہ اصطفٰک وطھرک و اصطفٰک علی نسآءِ العٰلمین ۝ [13]

ترجمہ :- اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور خوب ستھرا کیا اور آج سارے جہاں کی عورتوں سے تجھے پسند کیا [14] ۔

طالوت بادشاہ کے لئے "اصطفا"

قال ان اللہ اصطفٰہ علیکم وزادہٗ بسطۃ فی العلم والجسم ط [15]

ترجمہ :- فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی [16] ۔

"دین" کے لئے "اصطفا"

ووصّٰی بھا ابرٰھم بنیہ و یعقوب یٰبنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلاتموتن الا وانتم مسلمونؕ ۝ [17]

ترجمہ :- اور اسی دین کی وصیت کی ابراھیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان [18]

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے "اصطفا"

قل الحمدللہ وسلٰم علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ط [19]

ترجمہ :- تم کہو سب خوبیاں اللہ کو اور سلام اس کے چنے ہوئے بندوں پر[۲۰] ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "چنے ہوئے بندوں سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں[۲۱] ۔

امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثنا کے لئے "اصطفا"

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا ج فمنھم ظالم لنفسہٖ ج و منھم مقتصد ج و منھم سابق بالخیرات باذن اللہ ط ذٰلک ھو الفضل الکبیر O ط[۲۲]

ترجمہ :- پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو، تو ان میں کوئی تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔ یہی بڑا فضل ہے[۲۳] ۔

قرآن مجید میں "مصطفیٰ" کا لفظ اس صورت میں استعمال نہیں ہوا بلکہ تثنیہ کی صورت میں جمع کے محل پر واقع ہوا ہے۔

واذ کر عبٰدنا ابرٰھیم و اسحٰق و یعقوب اولی الاید والابصار O انا اخلصنٰھم بخالصۃٍ ذکری الدار O وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار O[۲۴]

ترجمہ :- اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو۔ بے شک ہم نے انھیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے۔ اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں[۲۵] ۔

جناب مفتی صاحب نے "مصطفیٰ" کے لفظ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ان خصائص میں شمار کیا ہے "جو آپ کے علاوہ کسی ذات میں نہیں پائے جاتے[۲۶]" تو یا تو مفتی محترم کے ذہن میں خصائص کبریٰ کی وضاحت نہیں یا انھوں نے قرآن مجید کا مطالعہ فرمانا گوارا نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں جس لفظ کی معنویت میں اس قدر وسعت ہو وہ کسی ایک ذات سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خصوصیتِ کبریٰ بنا کر پیش کیا جائے۔ یہ ضرور ہے کہ مصطفیٰ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے یہی نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فداہ ابی و امی تو برگزیدۂ برگزیدگاں ہیں۔ یہ اظہار محض لفظ مصطفیٰ سے نہیں ہوتا، جانِ رحمت کے ساتھ مل کر ترکیب و تکمیل پاتا ہے۔

قبلہ مفتی صاحب نے "جانِ رحمت" کا ترجمہ "سراپا رحمت" کیا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سراپا رحمت ہیں۔ لیکن "جانِ رحمت" میں جو دلالتیں مخفی ہیں، 'سراپا رحمت' کہہ دینے سے منکشف نہیں ہوتیں۔ (جانِ رحمت) اور (سراپا رحمت) میں جو لطیف سا فرق ہے، وہ صاحبانِ ذوقِ سلیم ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ مفتی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شانِ "رحمۃ للعالمین" کے حوالہ سے کئی ایک احادیث نقل فرمائی ہیں، مگر وہ "جانِ رحمت" کے مطالب و معانی کے ان پرتوں کو کھولنے سے قاصر رہے ہیں جن میں اس ترکیب کا حسن و جمال پنہاں ہے۔

اعلیٰ حضرت نے "بزمِ ہدایت" کو وسیع تر معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن مفتی صاحب نے "بزمِ ہدایت" سے "جماعتِ انبیا علیہم السلام"[27] مراد لے کر اس کی وسعت کو محدود کر دیا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ "بزمِ ہدایت" میں انبیا علیہم السلام شریک نہیں لیکن اس ترکیب سے محض جماعتِ انبیا علیہم السلام بھی مراد لینا درست نہیں۔

ہدایت کے عمل میں دو طرح کے افراد شریک ہوں تو یہ عمل مکمل ہوتا ہے۔ ایک ہادیانِ کرام جو ہدایت کی ترسیل کے فرائض سرانجام دیتے ہیں، دوسرے وہ افراد، جن تک ہدایت کا ابلاغ ہونا ہوتا ہے۔ اگر گم کردہ راہ افراد نہ ہوں، جن کو ہدایت کی ضرورت ہے تو کسی ہادی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور ان دونوں سے بالاتر وہ ذات لاشریک، جس نے ہدایت کا فریضہ، ان ہادیانِ کرام کے سپرد کیا اور جو ہادیِ مطلق ہے اس کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا وہ خود بھی اس بزم میں شامل ہے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا بڑا معروف شعر ہے ؎

خدا خود میرِ محفل بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمعِ محفل بود، شب جائے کہ من بودم

دراصل جس محفل کا ذکر امیر علیہ الرحمۃ نے کیا ہے، وہی بزمِ ہدایت ہے۔ ہدایتِ ظاہری بھی اور ہدایتِ باطنی بھی۔

قرآن مجید میں خداوندِ قدوس نے بار بار ہدایت کو صرف اور صرف اپنی طرف نسبت دی۔

(الف) ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمةً انك انت الوهاب ○[28]

ترجمہ :- اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہی بڑا دینے والا ہے[۲۹] ۔

(ب) والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا ؕ و ان الله مع المحسنین ۝[۳۰]

ترجمہ :- اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے[۳۱] ۔

(ج) وقالوا الحمد لله الذی هدٰنا لهذا قف وما کنا لنهتدی لو لا ان هدٰنا الله ج[۳۲]

ترجمہ :- اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا[۳۳] ۔

(د) الله یجتبی الیه من یشآءُ و یهدی الیه من ینیب ۝[۳۴]

ترجمہ :- اور اللہ اپنے قریب کے لئے چن لیتا ہے، جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے[۳۵] ۔

(ر) اولٰئک الذین هدی الله فبهُدٰهُمُ اقتده ط[۳۶]

ترجمہ :- یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انھیں کی راہ پر چلو[۳۷] ۔

(س) وان کان کبر علیک اعراضهم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السمآءِ فتاتیهم بآیةٍ ؕ ولو شآء الله لجمعهم علی الهُدٰی فلا تکونن من الجٰهلینَ ۝[۳۸]

ترجمہ :- اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن[۳۹] ۔

فلما را القمر بازغا قال هٰذا ربی فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ۝[۴۰]

ترجمہ :- پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہی گمراہوں میں ہوتا)[۴۱]

اور بہت سے مقامات ہیں جہاں ہدایت کا لفظ آیا یا اس کے مشتقات استعمال ہوئے مگر ہدایت کی نسبت ذاتی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف ہی کیا۔ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ "بزمِ ہدایت سے جماعت انبیاء علیہم السلام مراد ہے"، "بزمِ ہدایت" کے معانی کو پوری طرح احاطہ نہیں کرتا بلکہ ایک عام قاری کی گمرہی کا باعث بنتا ہے پھر یہی نہیں اعلیٰ حضرت کے کلام کے حسن کو مجروح کر رہا ہے۔

بند نمبر ۲

جلوہ ہائے صباحت پہ روشن درود　　　آب و تابِ ملاحت پہ روشن درود

ماہتاب جلالت پہ روشن درود　　　"مہر چرخ نبوت پہ روشن درود

ورد باغ رسالت پہ لاکھوں سلام "[۴۲]

اعلیٰ حضرت کے مصرح ثانی "گُلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام" میں ترمیم کی گئی ہے یا تحریف؟ بقول حفیظ تائب فنی نقص کی بنا پر (گُل) کی جگہ (ورد) لایا گیا ہے۔ اس فنی نقص کی وضاحت ہم پہلے کر آئے ہیں۔ "باغ" کے ساتھ "گُل" کا لفظ ہی زیادہ موزوں تھا، عام فہم ہونے کی مناسبت سے۔ ناظم کے مصرعوں میں (جلوہ، آب و تاب، صباحت، ملاحت) کے الفاظ تلازمۂ خیال پیدا کر رہے ہیں۔ (صباحت) تو (مہر) کی صفت ہو سکتی ہے لیکن (ملاحت) نہیں۔ (ملاحت) اور (صباحت) میں تضاد ہے۔ (ملاحت)، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کی ضرور صفت ہے، مگر (مہرِ نبوت) کے مناسب نہیں۔ (آب و تاب ہوگی تو اس کا مطلب ہے چہرے پر سیاہی غالب ہے، اسی طرح (ماہتابِ جلالت) کی ترکیب، اس لحاظ سے غلط ہے کہ (جلالت) ماہتاب کی صفت نہیں۔ ماہ کا خاصہ جمال ہے۔ جلال میں شکوہ، رعب داب اور قہاریت کا عنصر ہوتا ہے۔ یہ ماہ میں نہیں، مہر میں ہے۔ ماہتاب کا حسن سکون بخش ہوتا ہے۔ (ماہتاب جلالت) Paradoxical Composition ہے اور یہ "واسمع غیرَ مسمع "[۴۳] کے مانند ہے۔ ذو جہتین ترکیب ہے۔ جس طرح اللہ کے ساتھ "میاں" کی

ترکیب (اللہ میاں) اور "ذاتِ باری پر اس کا اطلاق ممنوع ہو گا[۴۴]" اور بارگاہِ رسالت میں بھی یہ رویہ نامناسب ہے۔ پیغمبرِ اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ کا استعمال جن سے مدح و ذم کا پہلو نکلتا ہو، قطعاً روا نہیں۔ یہاں بیان میں شعری ابہام سے زیادہ صراحت مطلوب ہے۔ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا جلال، جلالِ خداوندی کا مظہر ہے، کسی مجازی محبوب کا غصہ نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت کا کچھ کچھ اندازہ حضرت کعب کے قصیدہ "بانت سعاد" سے ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لَذَاکَ اَهْیَبُ عِنْدِی اِذَا اُکَلِّمُهٗ وَ قِیلَ اِنَّکَ مَنْسُوبٌ وَ مَسْئُوْلُ
مِنْ خَادِرٍ مِنْ لُیُوثِ الْاُسُدِ مَسْکِنَهٗ مِنْ بَطْنِ عَثَّرَ غِیْلٌ دُوْنَهٗ غِیْلُ[۴۵]

(بخدا جب میں رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے مصروف گفتگو تھا اور اس وقت کہا گیا کہ تجھ سے (اے کعب!) ان ان جرائم کو نسبت دی جاتی ہے اور بلاشبہ تم ان کے لئے جواب دہ ہو، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات میرے نزدیک (شیرِ نر سے بھی) بہت زیادہ ہیبت والی تھی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم، کچھار میں موجود شیروں کے ایک (بادشاہ) شیر سے بڑھ کر ہیبت و جلال والے تھے خصوصاً ایسا شیر جو مقام عثر کے درمیان میں رہنے والا ہو اور اس کے ارد گرد درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہوں (ایسی صفات کا مالک شیر بڑی سطوت، ہیبت اور جلال والا ہوتا ہے۔ لیکن نبی الملاحم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم تو باز پرس کے وقت اس سے بھی کہیں زیادہ جلال والے ہوتے تھے)[۴۶]

اس طرح (ماہتابِ جلالت) اور (آب و تابِ ملاحت) سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی صفاتِ حسن و جمال کا اور شوکتِ جاہ و جلال کا واضح عکس نہیں ابھرتا۔ اور نہ ان سے ان کی شان کا مناسب اظہار ہوتا ہے۔

بند نمبر ۴

جس پہ پڑھتا ہے ہر مرد صائم درود مرد بیدار، انسان نائم درود
جس پہ بھیجیں اناس و سوائم درود "شبِ اسرا کے دولھا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام"[۴۷]

جناب ناظم نے (دائم) کی مناسبت سے الفاظ کی جمع بندی شروع کر دی ہے۔ پہلے مصرع میں مسلسل دو مقامات پر تنافر کا عیب در آیا ہے۔ "پہ پڑھ" (پیپڑھ) اور ہے ہر (ہہر) پڑھا جاتا ہے، جو ناظم سے عظیم المرتبت شاعر کے فن کو منقوص کر رہا ہے۔ دوسرے مصرع میں ایک عقلی تضاد وقوع پذیر ہوا ہے۔ ایک "انسانِ نائم" کیسے درود پڑھ سکتا ہے؟ اور تیسرے مصرع میں قرآنی ارشاد سے تصادم۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

ان اللہ و ملٰٓئکتہٗ یصلون علی النبیؐ یٰٓایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیماo [48]

قرآن حکیم کے مطابق تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) پر درود پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو درود و سلام کا حکم فرماتا ہے جو ایمان کی نعمت سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں۔ اگر "اناس" کا مسئلہ ہوتا تو وہ "یاایھاالناس" فرماتا۔ پھر اناس ہی نہیں، ناظم صاحب نے "سوائم" کا ذکر بھی کر ڈالا۔ سوائم کے لغوی معنی ہیں "چرنے والے جانور"۔ اگر سوائم درود پڑھتے ہیں تو بہائم کیوں نہیں؟ محض قافیہ کی بنا پر حک و اضافہ؟ اور وہ "اناس" ہی تو تھے تو جو "شبِ اسریٰ" کے واقعات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی سب سے بڑھ کر مخالفت کر رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ "شبِ اسریٰ" کے "دولھا" اور "نوشۂ بزمِ جنت" کے لئے ناظم کی لغت اپنی کم مائیگی کا ماتم کر رہی ہے۔ کیا جناب ناظم کے پاس (مردِ صائم۔ انسانِ نائم۔ اناس و سوائم) ہی "درود خواں" رہ گئے تھے؟ (شبِ اسریٰ) اور (بزمِ جنت) کی مطابقت سے کوئی خیال آرائی نہیں کر سکے۔ "صائم (روزہ دار) ہونا" اچھی بات ہے لیکن وقت پر، اسی لئے عید الفطر کو نمازِ عید سے قبل کھانا مستحب ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نکلتے تھے واسطے نماز عید کے یہاں تک کہ کھا لیتے کچھ خرمے اور کھاتے تھے ان کو طاق" [49]

اعلیٰ حضرت کا مصرعِ ثانی "شب اسریٰ کے دولھا پر دائم درود" بھی انھی مصرعوں کے وزن پر ہے، جن میں فنی نقص کی نشاندہی کی گئی، مگر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ ممکن ہے یہاں ان کے قلم اور فکر نے ساتھ نہ دیا ہو۔

بند نمبر ۶، ۷

حسن رشد و ہدایت پہ الطف درود جوہر خیر و برکت پہ الطف درود

جان حرف و حلاوت پہ الطف درود "نور عین لطافت پہ الطف درود
زیب و زین نظافت پہ لاکھوں سلام"
آسمان عواطف ، مراحم علم نور ، نبراس مہتاب عرش شیم
کہکشاں و سراج سواد حرم "سرو ناز قدم مغز راز حکم
یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام "۵۰

بند نمبر ۶ میں، (نورِ عینِ لطافت) اور (زیب و زینِ نظافت) کے ساتھ "حلاوت، برکت اور ہدایت" کا کیا ربط ہے؟ پھر ان کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی قائم کردہ ردیف (الطف درود) کو بحال رکھا، جو اپنے قوافی سے میل نہیں کھاتی۔ (لطافت، نظافت) اور (الطف) میں ایک معنوی علاقہ موجود ہے، مگر ناظم نے ان باتوں کی پروا نہیں کی۔

مفتی محمد خاں قادری نے جو مشکل الفاظ کے معانی دیے ہیں، ان پر بھی ایک نظر۔۔۔

"عین۔ سراپا، لطافت۔ شفاف، الطف۔ سب سے پاکیزہ، زیب۔ زینت، زین۔ خوبصورتی" آپ کی ذات اقدس سراپا نور اور جسم اطہر لطافت و نظافت کا حسین مرقع تھا۔ کثافت کا وہاں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا[۵۱]"

مفتی صاحب کی لغت کی لغویت واضح ہے۔ وہ (نورِ عینِ لطافت) کی لطافت کو سمجھ ہی نہیں سکے۔ (عین) کے معنی "سراپا" جانے کس لغت سے ماخوذ ہیں۔ انہوں نے "نور" کا لفظ پڑھا اور شرح کرتے رہے اور اسی تناظر میں آیات و احادیث و اقوال لاتے رہے۔ پھر "لطافت" کے معنی (شفاف)؟ عربی زبان پر اچھا عبور ہے۔

بند نمبر ۷: اعلیٰ حضرت کے شعر کا مصرعِ اولیٰ "سروِ نازِ قدم، مغزِ رازِ حکم" کس قدر جمال آفریں ہے۔ ناظم کے تیسرے مصرع کا آغاز "کہکشاؤ" سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی عاطفت و مرحمت سے تو انکار نہیں اور نہ ان کے اخلاقِ عالیہ سے گریز و نفور، مگر حضرتِ ناظم کے تینوں مصرعوں میں سے کون سا لفظ یا ترکیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نعت میں، اعلیٰ حضرت کے تخلیق کردہ مصرع میں موجود تراکیب (نازِ قدم) اور (رازِ حکم) کے ضمن میں ہے؟ پہلے مصرع میں صرف "علَم" کا لفظ "یکہ تاز" سے تھوڑی سی مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرے مصرع "نور، نبراس، مہتاب عرش شیم" میں نبراس بمعنی چراغ ہے۔۔۔۔ یا تو "نورِ نبراس" کسرۂ اضافت کے ساتھ آنا چاہیے تھا یا

پھر مہتاب کے بعد سکتہ (،) ہونا چاہیے تھا۔ اعلیٰ حضرت کے اس شعر کا ترجمہ مفتی صاحب نے اس طرح سے دیا ہے۔

"آپ کا وجودِ اقدس، قدرت کا شاہکار اللہ تعالیٰ کے رازوں کا مرکز اور تمام مخلوق پر فضیلت میں سبقت لے جانے میں یکتا و بے مثل ہے [۵۲]"

"سروِ نازِ قدم" اور "مغزِ رازِ حکم" کا جو ترجمہ مفتی صاحب نے کیا ہے۔ کیا ہمارے فاضل مصنفین محترم شرف قادری صاحب اور جناب پروفیسر محمد مسعود صاحب نے اس پر غور فرمایا۔ اگر پہلے نہیں پڑھا تھا تو اب پڑھ لیں اور پھر اپنے ریمارکس بھی ملاحظہ فرمائیں، جس قدر یہ انتہائی خوبصورت تراکیب تھیں، مفتی صاحب نے اسی قدر ان کا ستیاناس کیا ہے۔ کاش اعلیٰ حضرت زندہ ہوتے اور ان کی نظر سے یہ تشریح گزرتی۔ "سروِ نازِ قدم" کی تشریح میں تین صفحے سیاہ کیے ہیں اور ایک بھی لفظ اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جناب مفتی نے کیا تو یہ کہ شہکارِ ربوبیت کا جسمانی تناسب تلاش کرتے رہے۔

بند نمبر ۸

آفتاب دو عالم پہ اضحیٰ درود　　رونق بزم عقبیٰ پہ عمدہ درود
اصل و روح طہارت پہ از کیٰ دورد　　"نقطہ سر وحدت پہ یکتا درود
مرکز دور کثرت پہ لاکھوں سلام [۵۳]"

اعلیٰ حضرت کے شعر میں "نقطۂ سرِّ وحدت" اور مرکزِ دورِ کثرت" کی تراکیب میں ترصیع کے ساتھ ساتھ تلمیح و تضاد کی صنعت کا بخوبی استعمال ہے۔ پھر اس میں جو ریاضیاتی اصطلاحی تلازمے رکھے گئے ہیں وہ نہایت خوبصورت، جاندار، اور پُر راز حقایق ہیں۔ صرف یہی نہیں، اس لحاظ سے مراعاۃ النظیر کا خیال بھی رکھا گیا ہے۔

(نقطہ، مرکز، دور، وحدت، کثرت، یکتا، لاکھوں)، یہ سب الفاظ اس جمال افروز وحدت میں منسوق ہوئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی علمی اتھاہ کے ساتھ ساتھ ذوق شعری کی لطافت پر قلب ایک وجد آور کیفیت سے جھوم اٹھتا ہے۔ اور یہ اعلیٰ حضرت کے ریاضی سے گہرے شغف کی دلیل بنتی ہے۔ یہیں نہیں اور بہت سے اشعار میں تحیر فزا فضا ملتی ہے جہاں ایک عام قاری اپنے حواس خمسہ کو بند کئے گزرتا ہے اور ایک محقق کے لئے خوانِ الوان پر بے شمار نعمتیں منتظرِ ضیافت ہوتی ہیں۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف

کی بات ہے۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

شیخ الجامعہ مفتی محمد خاں قادری، شارحِ سلامِ رضا نے مشکل الفاظ کے جو معنی دیے ہیں ایک نظر دیکھیے۔

" نقطہ : خط کی انتہا   وحدت : اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا

۵۴

مرکز: دائرہ کا وسط   دور : عہد

مفتی صاحب نے نقطہ کی تعریف کی ہے " خط کی انتہا" ۔ یہ درست ہے کہ " فرہنگ عامرہ " نے بھی یہی لکھا ہے، لیکن یہ تعریف مبہم ہے۔ اور اگر اسی تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو مفتی صاحب کی تشریح و توضیح غلط ٹھہرے گی۔ اور نقطہ سے مراد اگر خط کی انتہا ہے تو ابتدا کیوں نہیں؟۔

" خط " ان Technical Terms سے ہے جن کی تعریف بیان کرنا عملاً ممکن نہیں ان اصطلاحات سے متعلق چند ایسے بیانات بغیر ثبوت درست تسلیم کر لیے، ان کو بنیادی مفروضے Fundamental Agreements کہتے ہیں۔ بنیادی مفروضے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ مخصوص Postulates اور مشترک جو اصول متعارفہ Axioms کہلاتے ہیں۔

مثلاً دو نقاط میں سے ایک اور صرف ایک خط گزرتا ہے۔

اس طرح خط نقاط کا ایسا مجموعہ جو کسی خاص شکل میں ترتیب دیا گیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ نقطہ اور خط کی صحیح تعریف تو ممکن نہیں۔ جیومیٹری میں ہر شکل کو نقاط کا سیٹ تصور کیا جاتا ہے اور نقاط کو A,B,C وغیرہ نام دیے جاتے ہیں۔ نقطہ کو کاغذ پر ظاہر کرنے کے لئے چھوٹی سی بندی لگا دی جاتی ہے۔ اس کا Basic Concept ہمارے ذہن میں تو ہوتا ہے مگر امکان میں اس کا تعین ایک بندی (تعین) سے ہوتا ہے جو تعین اولیٰ ہے اصطلاحات تصوف میں نقطہ سے مراد ذات بحت ہے مگر یہ لاتعین ہے۔ لاتعریف ہے، لاوصف ہے قید اطلاق سے ماورا ہے۔ ظہور میں اس کا تعین اول حقیقۃ محمدیہ ہے مرتبۂ وحدت ہے، اور یہاں " نقطۂ سرّ وحدت " ہے۔ " نقطۂ وحدت " کو سمجھنے کے لئے اس دائرہ پر غور کیجیے۔

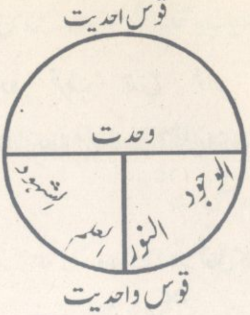

اس دائرہ میں قوسِ بالائی "احدیت" ہے۔ یعنی وحدتِ غیر زائدہ علیٰ ذاتہٖ۔۔۔ وجود یہاں تمام قیود حتّٰی کہ قیدِ اطلاق سے بھی مطلق اور عدمِ احاطہ کا مقتضی۔ گویا اس دائرے میں آکر شاہدِ خلوتِ غیب الھویۃ نے پہلا تنزل، اطلاق میں فرمایا۔۔۔۔ اس اطلاق سے عدمِ تقلید فی الواقع مراد نہیں بلکہ عدم اعتبار قیود مراد ہے۔۔۔۔ عینیت اور غیریت کی یہاں بحث تک نہیں رہتی۔ اسماء کو یہاں دخل نہیں۔۔۔۔ جملہ اعتباراتِ متقابلہ یہاں سے اٹھے ہوئے ہیں۔ ان اعتبارات کا توہّم تک موجبِ نقص ہے۔ یہی غیبِ ذات ہے جو "احدیت" سے موسوم ہے۔

اطلاق کے بعد جو پہلا تعقل ہے جو ہویتِ اطلاقیہ سے بالکل متصل ہے وحدت ہے جس کے تحت میں قوسِ واحدیت ہے۔ احدیت باطن ہے، واحدیت ظاہر، جو کچھ احدیت میں باطن تھا وہ واحدیت میں اجمالاً ظاہر ہے۔ احدیت میں اعتبارِ ذات ہے اور واحدیت میں اعتبارِ ذات مع صفات۔ ذات باطن ہے اور صفات ظاہر ہیں۔ وحدت میں احدیت اور واحدیت دونوں شامل ہیں، یہ ایک جہت سے احدیت سے متصل ہے اور دوسری جہت سے واحدیت سے۔ اس میں ذات و صفات اور ظہور و بطون دونوں شامل ہیں۔ یہ دونوں کی جامع اور دونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

دونوں میں امتیاز پیدا کرتی ہے اور دونوں کو جمع کرتی ہے۔ مگر خلط ملط نہیں ہونے دیتی۔ احدیت اور واحدیت دونوں کا ظہور، وحدت سے ہوا جو کہ نسبت اور رابطہ ہے درمیان دونوں کے۔۔۔۔ وحدت اور احدیت اور واحدیت مع اس نسبت کے علم کے جو کہ ان کے درمیان ہے مرتبۂ ذات میں متحد ہیں۔ ہوالکل، مگر تعدد یا کسی اور تمیز کا اعتبار وہاں گم ہے۔ وحدت میں آکر اعتبارات کا تمیز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تمیز کے اعتبار سے وحدت ہی تعین اول ہے۔۔۔۔ اوپر اور نیچے کی دو قوسیں وحدت

کی دونوں جہتیں ہیں۔ وحدت بھی مجموعہ ہے دو طرفین اور ایک وسطیت کا۔ اس میں دونوں طرفین بھی ہیں اور ہر دو طرفین کی عینیت بھی ہے گویا پورا دائرہ وحدت ہے اسی کو مقامِ محمدیہ کہتے ہیں اور یہی منشار ہے روحِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا[۵۵]"

کثرت، ذات کے مراتبِ ظہور کو کہتے ہیں۔ وحدت، حقیقتِ محمدیہ اور واحدیت، مرتبۂ تفصیلِ اسما وصفات[۵۶] اس ساری تفصیل کو سمجھنے کے بعد حقیقت کھلتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی "نقطۂ سرّ وحدت" بھی ہیں اور "مرکزِ دورِ کثرت" بھی ہیں۔ حقیقتِ محمدیہ کے ایک جانب احدیت ہے تو دوسری جہت تفصیل و کثرت' یہ مقام احدیت الجمع ہے۔۔

مفتی صاحب نے "دور" کا ترجمہ "عہد" کیا ہے جو قطعی طور پر غیر عالمانہ اندازِ تساہل ہے۔ (دور) کے ترجمہ کے لئے اگر لغت سے رجوع فرماتے تو انھیں علم ہوتا کہ "دور" کے معنی میں کتنی وسعت ہے

دور: چال۔ رفتار۔ روشن۔ حاشیہ۔ کنارا۔ حلقہ۔ گھیرا۔ نوبت۔ باری۔ اردگرد۔ چاروں طرف۔ عرصہ۔ زمانہ۔ مدت۔ انقلاب۔ زمانہ کا الٹ پھیر تغیر۔ تبدّل۔ عہدِ حکومت[۵۷]

جناب مفتی صاحب نے (نقطۂ سرِّ وحدت) اور (مرکزِ دورِ کثرت) کے ذیل میں احادیث تو جمع کر دیں مگر ان کا ربط شعر سے نہ کر پائے۔ "دور" کا ترجمہ عہد کیا اور مرکز کا ترجمہ دائرہ کا وسط۔ دراصل وہ افکار و خیالات کو یکجا کر کے مرتب کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

جنابِ ناظم نے تضمین کرتے وقت اپنے مصارع کو اعلیٰ حضرت کے شعر کے ساتھ زبردستی ملحق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناظم شاعر ہونے کے بجائے محض "ناظم" ہی نکلے۔ اعلیٰ حضرت کی ڈکشن Diction نہایت جاندار ہوتی ہے۔ وہ جو تراکیب وضع کرتے ہیں اس کے بہت سے شیڈز Shades ہوتے ہیں۔ (نقطۂ سرِّ وحدت) اور (مرکزِ دورِ کثرت) کو جب تک صوفیانہ تناظر میں نہ دیکھا جائے' نہ سمجھا جائے، ان کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، اور حضورِ اقدس و انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بیان نہیں ہو پاتی اور ناظمِ محترم نے (آفتابِ دو عالم)، (رونقِ بزمِ عقبیٰ) اور (اضحیٰ) اور (عمدہ) جیسی پامال تراکیب استعمال کر کے اعلیٰ حضرت کے فکر و شعر کی تابانی کو تاریک بنانے کی سعی کی ہے

بند نمبر ۱۲

احمد پاک و حماد و حامد حمود	خط حاجات پر نعمتوں کا عمود
مہبط وحی رحمان و دریائے جود	"اصل ہر بود و بہبود تخم وجود
قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام	[۵۸]"

علامہ شمس بریلوی کی مرتبہ حدایق بخشش، مدینہ پبلشنگ کراچی کی طرف سے ۱۹۷۶ء میں طبع ہو کر سامنے آئی، شمس نے مصرع اولیٰ میں ترمیم کی اور مصرع کی ساخت یوں کر دی "اصل ہر بود و بہبود، تخم وجود" [۵۹] جناب ناظم نے مزید فکر کے بعد مصرع کو اس طرح سے کر دیا ہے "اصل ہر بود و بہود و تخم وجود" مفتی صاحب نے ناظم کی تقلید کی ہے۔

ان حضرات علام کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے کہ قلم کو جنبش دے سکیں، تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ ترمیم بلا جواز اور بلا تامل کی گئی ہے۔ اس مصرع کے الفاظ پر غور کریں تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

اصل: جڑ، نسل، بنیاد (فرہنگ عامرہ)

بود: رہایش، ہستی، تھا (عامرہ)

: تراکیب = بود و ماند۔ بود و باش۔ بود و نابود (علمی اردو لغت)

بہبود = بھلائی، بہتری۔ خیر طلبی۔ فائدہ۔ نفع۔ خیریت و عافیت۔ خوش اقبالی، بلند ہمتی۔ ترقی۔ افزونی۔ بیشی۔ بہتات۔ (علمی)

= خیر و صلاح (مدار الافاضل)

اصل = ۱۔ بنیاد۔ جڑ ۲۔ مادہ۔ ماخذ ۳۔ اصلیت۔ حقیقت ۴۔ بساط۔ کائنات۔ ہستی ۵۔ خالص۔ بے میل ۶۔ ابتدائی حیثیت۔ گزشتہ حالت ۷۔ نطفہ، نسب، ذات ۸۔ واقعی ٹھیک ۹۔ شریف۔ شرافت ۱۰۔ متن کتاب ۱۱۔ خلاصہ۔ لب لباب ۱۲۔ مول، وہ روپیہ جو قرض پر دیا جائے ۱۳۔ وہ روپیہ جو کس کام پر لگایا جائے۔ ۱۴۔ (صفت) قدیم۔ پرانا۔ اصل۔ جڑ سے نکالنا (جامع اللغات)

تخم = بیج۔ دانہ۔ اصل۔ نژاد ۲۔ بیضہ۔ انڈا۔ ۳۔ گٹھلی۔ ۴۔ نطفہ ۵۔ اولاد۔ نسل۔ (علمی)

اصل ہر چیز و اولاد (مدار الافاضل)

وجود = ظاہر ہونا۔ نمایش۔ ہستی۔ حیات۔ مجازاً جسم۔ بدن (نور اللغات)

زندگی۔ ہستی ۲۔ جسم، بدن۔ ۳۔ ذات ۴۔ پیدایش۔ ظہور۔ ۵۔ مادہ۔ جوہر (علمی)

ہستی۔ جنم۔ مادہ۔ مطلوب پانا (عامرہ)

وجد وجوداً۔ من ادعن العدم۔ نیست سے ہست ہونا۔ وجود میں آنا (فیروز اللغات)

سیدنا علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز وجد، وجود اور تواجد کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"بدانکہ وجد و وجود مصدر اند۔ یکے بمعنی اندوہ و دیگر بمعنی یافتن و فاعل ہر دو چوں یکے باشد و جز بمصدر فرق نتواں کرد و میان آں چنانکہ گویند

وجد یجد وجوداً وجداناً چوں بیافت

وجد	یجد	وجدا	چوں	اندوہگیں	شد
ونیز وجد	یجد	جدۃ	چوں	توانگر	شد
و وجد	یجد	موجدۃ	وچوں	درخشم	شد

وفرق ایں جملہ بمصادر بود نہ بافعال "[60]

اولاً تواجد، پھر وجد، پھر وجود۔ "تواجد" کے معنی ہیں وجد کو حاصل کرنا۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ روؤ، اگر نہ رو سکو تو رونے والوں سی صورت بنالو۔

(وجد) وہ ہے کہ بلا تعمد و تکلف کے قلب پر وارد ہو۔ (وجد) کی جمع (مواجید) ہے۔ واردات اور مواجید، اور اد کا ثمرہ ہیں۔ علامات طاعات ثمرہ معاملات ہیں۔ (وجود) جب طالب ترقی کر کے تواجد اور وجد کو طے کر جاتا ہے تو وجود حاصل ہوتا ہے[61]۔

ولا یکون وجود الحق الا بعد خمود البشریہ لانہ، لا یکون للبشریۃ بقاء عند ظہور سلطان الحقیقۃ[62]

(اور جب تک بشریت فنا نہیں ہوتی۔ وجود حق حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ سلطان حقیقت کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہ سکتی"[63]

صوفیا نے اپنی اصطلاح میں وجود کی چند اقسام کی ہیں۔

۱۔ واحد الوجود ۲۔ واجب الوجود حقیقی۔ ذات حق سبحانہ تعالیٰ ۳۔ واجب الوجود بمعنی لازم الوجود۔ اجسامِ عنصریہ۔ ۴۔ ممکن الوجود یعنی جسم مثالی ۵۔ ممتنع الوجود۔ یعنی روح اضافی ۶۔ عارف الوجود یعنی اعیانِ ثابتہ ۷۔ شاہد الوجود یعنی مرتبۂ وحدت۔ حقیقتِ محمدیہ[64]

سید محمد ذوقی نے وجود کی چھے اقسام بتائی ہیں۔

۱۔ واجب الوجود یعنی لازم الوجود ۲۔ ممکن الوجود یعنی جسم مثالی ۳۔ ممتنع الوجود یعنی روحِ اضافی

۴۔ عارف الوجود یعنی اعیانِ ثابتہ ۵۔ شاہد الوجود یعنی مرتبۂ وحدت ۶۔ واحد الوجود یعنی مرتبۂ احدیت [۶۵]

"اصلِ ہر بود" اور "تخمِ وجود" کی تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ لغت کے ساتھ ساتھ اصطلاحات کی تفصیلات پر بھی نظر رکھی جائے۔ حدایقِ بخشش مطبوعہ حسنی پریس بریلی میں اعلیٰ حضرت کا مصرع اس طرح سے دیا گیا ہے۔ ؎

اصلِ ہر بود و. بہبودِ تخمِ وجود

جنابِ شمس نے "اصل ہر بود و. بہبود، تخمِ وجود" اور ناظم اور قادری نے "اصل ہر بود و. بہبود وتخم وجود" بنادیا۔ اصل متنازع لفظ ".بہبود" ہے۔ سکتہ (،) اور واؤ عاطفہ سے، جو ".بہبود" کے بعد ہے، کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے خیال میں یہاں نہ سکتہ (،) ہونا چاہیے اور نہ واؤ عاطفہ (و)۔ اس لئے کہ

۱۔ بود و. بہبود کوئی با معنی ترکیب نہیں بنتی۔

۲۔ "اصلِ ہر بود" اور "تخمِ وجود" حقیقۃ محمدیہ ہے۔ نورِ محمدی۔ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۳۔ (بود) اور (وجود) یہاں متضاد الفاظ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ؎

بود است و نمود است و دگر چیزے نیست

حق است ہمہ بود جہاں جملہ نمود است

(وجود) یہاں عالم اجسام، عالمِ شہادت۔ یہ قابلِ لمس ہے اسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عالمِ ذات کا انتہائی ظہور ہے۔ عالمِ ارواح۔ عالمِ مثال۔ عالمِ اجسام، ذات کے مراتب خارجی ہیں [۶۶]۔

۴۔ (بود) مرتبۂ واحدیت، جسے حقیقتِ آدم بھی کہتے ہیں یہی تخمِ وجود بھی۔ اور (وجود) حقیقت آدم یعنی اسما و صفات کا عالمِ اجسام میں نمودار ہونا۔ اور یہی مرحلہ ہے .بہبودِ تخمِ وجود کا کہ وجود کا تخم افزایش پاکر ہر سمت جلوہ نما ہوتا ہے۔

اس قرینہ سے مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اصلِ ہر بود" بھی ہیں اور ".بہبودِ تخمِ وجود" بھی۔ اس پر "انا اعطینک الکوثر" بھی شاہد ہے۔

۵۔ اگر آپ کہیں کہ حضور آیۂ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم (اصلِ ہر. بہبود) بھی ہیں تو اس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم "عالمِ وجود" کے لئے منبعِ خیر و برکت اور وجہ افضال و اکرام ہیں۔ اور. بہبودِ تخمِ وجود بھی اس طرف مشیر ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم [67]

(بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے۔ مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان [68]

اس مصرع میں اعلیٰ حضرت نے اس آیہ کریمہ کے مصداق بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ". بہبود تخم وجود" کہا کہ ". بہبود" کے لغوی معنی بھلائی کے بھی ہیں۔

۷۔ اگر شمس و ناظم کے مطابق مصرع پڑھیں تو محض "تخم وجود" الگ ہو کر اپنی معنویت کھودے گا اور ". بہبود" بالکل حشو۔۔۔

بند نمبر ۱۳

بحر جود و سخا پر ہو امجد درود آسمان ہدیٰ پر ممجد درود
صدر حق، بدر جنت پہ سرمد درود "باب فتح نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام [69] "

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا شعر ہے ؎

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام [70]

جناب شمس نے اس کے مصرعِ اولیٰ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ان کے مطابق یہی صورت درست ہے مفتی محمد خاں قادری نے شمس کی پیروی کی۔ علامہ ناظم نے اس مصرع کو تبدیل کر کے ایک اور صورت میں ڈھالا ہے۔ (بابِ فتحِ نبوت پہ بے حد درود)

شیخ عطا محمد لکھتے ہیں:

"حدایق بخشش میں "ختمِ بابِ نبوت پہ بے حد درود" تحریر ہے جو درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ

ختم سے مراد کھولنا ہے اور باب سے مراد دروازہ (ختم۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں "فتح" ہے۔ کعبی) "کھولنے والے دروازۂ نبوت پر بے حد درود" اعلیٰ حضرت نے پہلے تینوں کو مخفف کر کے "فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود" درست تصنیف فرمایا ہے۔۔۔۔[۱]"

اور اس لغت پر اعتبار کریں تو (بابِ فتحِ نبوت) کے معنی ہوں گے "نبوت کے کھولنے والے کا دروازہ اور یہ یقیناً درست نہیں۔ مزید لغت سے استفادہ کر دیکھیں۔

فتح الباب: ابتدا۔ آغاز ۲۔ موسم برسات کا آغاز (علمی اردو لغت)

فتح الباب، فتح باب: دروازہ کھولنا۔ شروعات کرنا (عامرہ)

فتح الباب: (ع۔ دروازہ کھولنا)۔ مذکر۔ ابتدا۔ آغاز

رشک مرحوم کا شعر ہے ؎

سازشِ درباں کلیدِ قفلِ نومیدی ہوئی
کھل گیا دروازہ اس کا روزِ فتح الباب ہے

منیر کہتے ہیں ؎

مدِ بسم اللہ ہے تو مصحفِ اسلام کو
باغِ جنت کے لئے تو ہے کلیدِ فتحِ باب

(نور اللغات)

فتح باب: (الف) گشودنِ در

(ب): (ک) آغازِ کار۔ (فرہنگ آموز گار)

فتح باب دراصل فتح الباب ہی تھا جس کے معنی ابتدا یا آغاز کے ہیں۔

حبیب اللہ آموز گار لکھتے ہیں۔

"ہر جا ممکن بود الف و لام عربی در کلمات مرکب حذف شد۔۔۔۔ مثلاً میگوئیم (حاضر جواب، سخی طبع، عالی ہمت) ہماں گونہ بگوئیم (سریع انتقال و سہل ہضم و ملون مزاج و دستور عمل و حسب امر) بجای (سریع الانتقال۔ سہل الہضم۔ ملون المزاج، دستور العمل و حسب الامر)[۲]"

غالب نے بھی ابتدا و آغاز کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

مژدہ یاراں را کہ ایں دیریں کتاب   یافت از اقبالِ سید فتحِ باب
دیدہ بینا آمد و بازو قوی   کہنگی پوشید تشریفِ نوی ۷۴

فتحِ باب مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق، فتح الباب سے تشکیل ہوا (الف لام کے حذف کرنے سے) اور فتح الباب کے معنی ہیں ابتدا۔ آغاز۔ شروعات کرنا اب مصرع کے معنی صاف اور واضح ہیں، اور لفظوں میں تبدیلی کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اگر ہم، عام معنی کی صورت اختیار کریں تو "باب" اور "دور" کے لغوی معنی پر غور کرنا ہوگا۔

باب: فصل۔ کتاب۔ پھاٹک۔ بڑا دروازہ۔ مطلب

کتاب کا ایک حصہ۔ مد۔ سبب۔ بابت۔ (عامرہ)

دور: چکر۔ گردش ۲۔ رفتار۔ چال ۳۔ حاشیہ۔ کنارہ ۴۔ باری۔ نوبت ۵۔ حلقہ۔ گھیرا ۶۔ چاروں طرف ۷۔ شراب کے پیالے کی گردش ۸۔ انقلاب کی گردش ۹۔ زمانہ۔ عہد ۱۰۔ سبق کو بار بار دہرانا ۱۱۔ محیط۔ پھیلاؤ۔ (علمی لغت)

ان لغوی معانی کو پیش نظر رکھیں تو بھی شعر کی مختلف سمتوں کو تضاد و تطابق کے استعمال سے واضح تر کرنے کی کوشش کارفرما نظر آتی ہے۔ اور اس طرح دوسرے مصرعے کا اقتباس (ختم دور رسالت) کو سامنے رکھیں تو پہلے مصرع میں (فتح باب نبوت)، ہی درست ہوگا۔ اور اعلیٰ حضرت نے اسی مؤقف کو اختیار کیا۔ شعر میں الفاظ کی ترتیب دیکھیے، کتنی خوبصورت ہے (فتح۔ ختم)، (باب۔ دور)، (نبوت۔ رسالت) (فتح) کے ساتھ (باب) کا لفظ لائے کہ وہ آغاز تھا اور (ختم) کے ساتھ (دور) لائے کہ نبوت سے رسالت تک کا تمام دور آپ پر آکر منتہی ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت کے شعر میں مرکزی خیال نبوت کی ابتدا و انتہا ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے نبوت کا آغاز ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہی کی ذات اقدس پر اس کا اختتام ہے، لیکن ناظم کی تضمین میں جو مصرعے لائے گئے ہیں وہ کسی طرح مربوط نہیں ہو پائے۔ (جود و سخا) اور (بدرِ جنت) کی تراکیب کا (فتحِ بابِ نبوت) اور (ختمِ دورِ رسالت) کی صفات سے کیا تعلق۔ اور (امجد، مجد، سرمد)، یہ قوافی محض لفظی ازدحام ہے۔ جذب و واردات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

بند نمبر ۱۶

بے زروں کی بضاعت پہ لاکھوں درود　　بے بہاروں کی قوت پہ لاکھوں درود
حق کی شان و جلالت پہ لاکھوں درود　　"سر غیب بدایت پہ لاکھوں درود
عطر جیب نہایت پہ لاکھوں سلام"[۷۴]

اعلیٰ حضرت کا مصرع اولیٰ اس طرح سے تھا۔

سر غیبت ہدایت پہ غیبی درود[۷۵]

جناب ناظم نے "ہدایت پہ غیبی درود" کے بجائے "ہدایت پہ لاکھوں درود" لکھا ہے۔ شیخ عطا محمد نے بھی اس تبدیلی پر احتجاج کیا ہے

"سر غیب ہدایت پہ لاکھوں درود" تحریر کیا گیا ہے چونکہ پہلے لفظ سر غیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھپا بھید کہا گیا ہے۔ اس کی مناسبت سے "غیبی درود" زیادہ اقرب ہے اور یہی حدایق بخشش میں بھی ہے"[۷۶]

(غیب) اور (غیبی) دو متجانس الفاظ ہیں۔ ان میں تجنیس زائد کا علاقہ قائم ہے۔ جب "سر غیب" کہا تو اس کے ساتھ "غیبی درود" ہی لانا زیادہ مناسب تھا۔ ناظم نے "لاکھوں درود" لکھتے ہوئے شمس بریلوی کی تقلید کی ہے۔ انھوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن ایک مقام پر جدّتِ فکر سے کام لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اولیٰ میں (سرّ غیب ہدایت) استعمال ہوا ہے اور دوسرے مصرع میں جو (نہایت) کا متضاد ہے، رکھا ہے۔ بظاہر قرینہ یہی کہتا ہے۔ لیکن اگر شاعر کے ذہن میں۔۔۔۔۔ جو یقیناً ہم سے بہت زیادہ شعور و ادراک کا مالک تھا۔ کوئی اور قرینہ ہو تو کسی اور کو تبدیلی و ترمیم کا کوئی حق نہیں۔ جناب شمس بریلوی نے (سر غیب ہدایت) ہی رہنے دیا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا (ہدایت) کا لفظ یہاں غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت کا (سر غیب) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ سورہ فاتحہ میں ارشاد ربانی ہے اور یہ ایمان لانے والوں کو بغرض تعلیم فرمایا گیا کہ وہ حضور رب العلمین میں یوں عرض گزار ہوا کریں

اھدنا الصراط المستقیم

اس کی تفسیر میں شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں

«ای ثبتنا علی الھدایہ، ومکنا بالا ستقامۃ فی طریق الوحدۃ»[۷۷]

(اے رب ہمارے ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ اور راہِ وحدت میں تمکین بالاستقامت عطافرما) اور

یہ صراطِ مستقیم یعنی ہدایت ہے کیا؟

"صراطِ مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا خلقِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یا حضور یا حضور کے آل و اصحاب ہیں [۷۸]" "ہدایت کے اصلی معنی لطف و مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے اور رستہ بتانے کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال ہمیشہ خیر و نیکی میں ہوا کرتا ہے۔۔۔۔ خلاصہ یہ کہ اہدنا الصراط المستقیم دعا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اور نیز تمام مسلمانوں کی اور اگرچہ وہ پہلے ہی سے آسمانی ہدایت پر تھے مگر پھر بھی خدا تعالیٰ نے استقامت و ثابت قدمی اور مزید ہدایت طلب کرنے کے لئے یہ دعا تعلیم فرمائی [۷۹]"

حضرت شیخ اکبر شجرۃ الکون میں ارقام فرماتے ہیں۔

"شجرۃ الکون جس کی اصل دانہ کن سے ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا کام یہ کیا۔ اس کے عنصر کا جوہر نکال کر اسے اتنا خالص اور پاکیزہ کیا کہ وہ ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو کر مزین ہو گیا اور پھر اس پر نورِ ہدایت مترشح فرمایا جس کی وجہ سے جوہرِ اصلی ہویدا ہو گیا اور پھر اسے اپنی رحمت کے سمندر میں غوطہ زن فرمایا تاکہ اس کی برکت عام ہو جائے پھر اس نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا نورِ مبارک پیدا فرمایا [۸۰]"

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو ترکیب اعلیٰ حضرت نے (ترغیبِ ہدایت) استعمال کی، وہی صحیح تر ہے۔ اور پھر یہ کب ضروری ہے کہ ہر لفظ کے استعمال میں صنعتِ تضاد کو ملحوظ رکھا جائے۔ اعلیٰ حضرت کے شعر میں کس قدر بلند مضمون ہے، اس کے ساتھ جنابِ ناظم کے مصرعے کچھ جچے نہیں۔ (ترغیبِ ہدایت) اور (عطر جیب نہایت) کے ساتھ (بے زروں کی بضاعت)، (حق کی شان و جلالت)، زیرِ تضمین تراکیب سے مربوط نہیں۔

بند نمبر ۱۷

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود
شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام [۸۱]

لاہوت = گنجِ مخفی۔ مقامِ فنا۔ محویتِ تامہ۔ حقیقتِ وحدت جو جمیع اشیا میں ساری ہے۔ مرتبۂ ذات۔ لاہوت دراصل لاہو الاھو ہے۔[۸۲]

خلوت = انقطاع از ماسوا۔ تقبل الی اللہ

"خلوت کی اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو نسبت راز و نیاز حاصل ہے اوس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ یہ مقصد جن جن صورتوں سے حاصل ہو وہ سب خلوت کے تحت میں ہیں۔"[۸۲-A]

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خلوت "لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل"[۸۳] اور "ابیت عند ربی"[۸۴]

ناسوت = عالمِ بشریت۔ بشریت۔

مراد یہ کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم خلوت میں ہوتے ہیں تو وہ ماہِ لاہوت ہیں اور جب خلوت سے جلوت میں عالمِ بشریت کی طرف جلوہ نما ہوتے ہیں تو وہ عالمِ اجسام کے شہنشاہ ہیں۔

(ماہ، شاہ)، (خلوت، جلوت) ان میں تجنیسِ مضارع قائم ہے (خلوت، جلوت) میں تجنیس خطی بھی ہے اور صنعت تضاد بھی[۸۵]۔

فاضل بریلوی کے دونوں مصرعے مرصع بھی ہیں اور مسجع بھی۔

جناب ناظم نے تضمین کرتے وقت صرف "شاہ" کے لفظ کو مدِ نظر رکھا ہے۔ ان کے پہلے دو مصرعوں میں (اعتمادِ وجاہت) اور (دستِ زورِ حمایت) کی ترکیب کا علاقہ صرف (شاہ) سے بنتا ہے۔

ناظم کا صرف ایک مصرع "لمعۂ نورِ وحدت" اعلیٰ حضرت کے شعر سے مربوط نظر آتا ہے۔ پھر ان کے تینوں مصرعوں میں نہ وہ زور ہے اور نہ وہ حسن و جمال جو اعلیٰ حضرت کے کلام کا خاصہ ہے۔

بند نمبر ۱۸

شانِ امکان ارض و سما پر درود کائناتِ شقا و شفا پر درود
بحرِ لطف و عطا و سخا پر درود "کنزِ ہر بیکس و بے نوا پر درود
حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام"

جناب ناظم کے دوسرے مصرع میں موجود "کائناتِ شقا" کے بارے میں کیا عرض کیا جائے؟ یہ

نعت ہے؟ یا کچھ اور۔

شقا کی لغت پر غور کریں تو حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

شقا = بد بختی، تیرہ روزی، سخت دلی (آموز گار)

شقا = بد بختی -- (علمی اردو لغت)

شقا = بد بختی -- (فرہنگ عامرہ)

شقا = بد بخت ہونا -- (کشوری)

شَقَوَ = بد بخت ہونا -- (جامع اللغات)

شَقِیَ (س) شَقًا و شَقَاءً و شَقَاوَۃً و شِقَاوَۃً و شَقْوَۃً و شِقْوَۃً = بد بخت ہونا

شَقَا (ن) شَقْوًا و اَشْقٰی = بد بخت بنانا (بالوں کو کنگھی کرنا)

شَقًا و شَقَاءً و شَقْوَۃ و شَقَاوَۃ = بد بختی، سختی (فیروز اللغات)

شَقِیَ و شِقَاءً = بد بخت ہونا۔ نامراد ہونا۔ بد حال ہونا (القاموس الفرید)

۸۶

الشقو = غلبہ کردن کسے را بہ شقاوت

و شِقَا (بالکسر) و شقاء (بالمد)

قال الراغب الشقاوۃ خلاف السعادۃ

قال بعضھم قد یوضع الشقا موضع التعب نحو شقیت فی کذا و کل شقاوۃ تعب و لیس کل تعب شقاوۃ، فالتعب اعم من الشقاوۃ (وشقاء اللہ واشقاہ) ضد اسعد اللہ (تاج العروس)

ہمارے خیال میں (شقا) کا کوئی ایسا معنی نہیں جس کا اطلاق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت پر کیا جا سکے۔ اور (شقا و شفا) کے دو متضاد الفاظ بھی واضح کر رہے ہیں کہ شاعر کی اس سے کیا مراد ہے۔ اس موضوع پر مزید اظہار کے لئے ہم علمائے کرام سے مستدعی ہیں کہ وہ ہی اس سلسلہ میں بہتر فیصلہ کرنے کے اہل ہیں۔ ممکن ہے ہم سے مصرعے کی تفہیم میں کوئی قصور واقع ہوا ہو اور جناب ناظم نے یہ مراد نہ لی ہو۔ اگر ہم سے قصور سرزد ہوا ہے تو خداوند قدوس ہمیں معاف فرمائے اور اگر جناب ناظم سے یہ کوتاہی ہوئی ہے تو اللہ جل شانہ انھیں معاف فرمائے ویسے اجل علمائے کرام نے اس

تضمین پر تحسینی و تعریفی تاثرات پیش فرمائے ہیں اور ابھی تک کسی نے اس جانب اشارہ تک نہیں کیا۔

بند نمبر ۱۹

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

پر توِ اسمِ ذاتِ احد پر درود نسخۂ جامعیت پہ لاکھوں سلام

نسخہ کے معنی ہیں: لکھی ہوئی چیز۔ کتاب کی جلد۔ لکھا ہوا پرچہ۔ نوشتہ۔ علاج کی دوائیں۔ (عامرہ)

جامعیت: حقیقت محمدیہ کہ ظاہر مرتبہ وحدت اور مجاز ہے ذات ہویت کا، مرتبہ احدیت کا[87]، اسی لئے پہلے اسے ذات احد کا پر تو کہا پھر نسخہ جامعیت۔

اسم در اصل اصطلاح صوفیہ میں محض لفظ نہیں بلکہ اس سے مسمی کی ذات باعتبار اپنے صفت وجودیہ و عدمیہ کے مراد ہے۔ اسماء ذاتیہ وہ اسماء ہیں کہ جن کا وجود غیر کے وجود پر موقوف نہیں بعض عارفوں نے اسماء باری تعالیٰ کی چار قسمیں فرمائی ہیں۔ پہلی قسم اسماء ذات صفاتیہ جیسے احد۔۔ واحد۔ وتر۔ حمد۔ قدوس۔ حی۔ نور، جناب ناظم کے تضمینی مصرعوں میں صرف "حبیبِ صمد" کی ترکیب "اسمِ ذاتِ احد" اور "نسخۂ جامعیت" سے مربوط ہو پائی۔ پہلے دونوں مصرعے، "چہرۂ نور کے خال و خد پر درود" اس سے ربط پیدا نہیں کر سکا اور دوسرا مصرع "پورِ عدنان کے عمّ وجد پر درود" میں منطقی طور پر بھی صحت نہیں اور نقلی طور پر بھی اس کی تردید ہوتی ہے، یہ درست ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنا شجرہ نسب عدنان تک ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ عدنان سے آگے مورخین میں سخت اختلافات ہیں۔ لیکن کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "پور عدنان" کی اضافت ابنی کا استعمال ٹھیک تھا؟ کوئی اور کیوں نہیں؟ "عم وجد" میں عمومیت ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں میں کافر بھی تھے، بلکہ صرف سید الشہدا شیر خدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے ابو طالب کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ وہ کفر پر مرے[88]۔ کفر پر قائم رہنے والوں میں ابو لہب بھی تھا۔ اس لئے رشتہ کے حوالہ سے درود بھیجنا اس وقت شاید مناسب نہ ہو جب تخصیص نہ ہو اور اہل اسلام سے معروف۔ اسی بند نمبر ۱۹ کے حوالہ سے شیخ عطا محمد نے ایک نکتہ اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

شمار نمبر ۱۹ پر "نسخۂ جامعیت" تحریر کیا گیا ہے۔ جبکہ شمار ۲۰ پر "مقطعِ ہر سیادت" تحریر

ہے مگر حدایق بخشش میں شمار ۱۹ والے حروف مذکور "نسخہ جامعیت" کی بجائے شمار مذکور "نسخہ جامعیت" کی بجائے شمار ۳۰ (؟ ۲۰ ہے) والے الفاظ "مقطع ہر سیادت" تحریر ہے۔ اس طرح شمار ۱۹ کے مندرجہ الفاظ "نسخہ جامعیت" زائد ٹھہرے۔ اس طرح شمار ۲۰ مصرع چہارم بھی موجود زیر مطالعہ "حدایق بخشش" میں نہ ہے جس سے ایک پورا شعر زائد ٹھہرا۔ تحقیق حق ہونی ضروری ہے ورنہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں تصرف بے جا خیال کیا جائے گا[۸۹]"

ایسا لگتا ہے جناب شیخ عطا محمد بھی اعتراض وارد کرنے میں جلدی میں تھے۔ جناب ناظم نے یہاں صحیح ترتیب سے اشعار اور ان کے مصرعے دیے ہیں۔ شیخ عطا محمد کے پیش نظر جو حدایق بخشش ہے وہ امکان غالب ہے کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کا مطبوعہ اور جناب شمس بریلوی کا مرتبہ ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں مرتب اور ناشرین نے بڑا بلند بانگ دعویٰ کیا ہے کہ یہ صحیح ترین نسخہ ہے۔ جناب شمس بریلوی نے اشعار کی ترتیب غلط کر دی ہے۔ شعر ۱۹ کے پہلے مصرعے "پر تو اسم ذات احد پر درود" کے بعد دوسرا مصرع "نسخہ جامعیت پہ لاکھوں سلام" ہی ہے لیکن شمس نے یہ مصرع بھی حذف کر دیا اور پھر شعر ۲۰ کا پہلا مصرع "مطلع ہر سعادت پہ اسعد درود" بھی غائب کر دیا اور یوں شعر ۱۹ کا دوسرا مصرع اور شعر ۲۰ کا پہلا مصرع اڑا کر شعر ۱۹ اور ۲۰ کو خلط ملط کر دیا اور یوں اس جگہ سے ایک شعر کم ہو گیا اور معنوی ربط بھی نہ رہا اور پھر بھی دعویٰ ہے کہ یہ درست ترین نسخہ شائع کیا گیا ہے۔ اگر جناب شیخ عطا محمد کے پاس واقعی شمس صاحب کا مرتبہ "حدایق بخشش ۱۹۷۶" ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم اس سے منقولہ و مطبوعہ ہو گا۔ اور اگر اس میں دیئے گئے سلام کے اشعار کو شمار کریں گے تو ان کی تعداد ۱۶۷ ہے اس طرح چار اشعار حذف کر دیئے گئے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔

بند نمبر ۲۰

بند نمبر ۲۰ میں جناب ناظم کے منتضمن مصارع بھی صنائع بدائع سے پر ہیں۔ صنعتِ اشتقاق کا استعمال اعلیٰ حضرت کے ہاں بھی ہے (سعادت، اسعد) اور ناظم کے ہاں بھی (تفرید۔ مفرد۔ تجرید۔ مجرد۔ شہادت۔ اشہد) اچھے مربوط مصرعے لگائے ہیں۔ لیکن دوسرا مصرع "شانِ تجرید پر ہو مجرد درود[۹۰]" مجرد کے معنی تنہا، اکیلا اور صرف بھی ہیں اور یہ معنی ظاہر و باہر ہیں اور اگر یہ ہو کہ "شانِ تجرید پر محض درود ہو" تو یہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ تو صلوا علیہ و سلموا تسلیما فرماتا ہے۔ درود

کے ساتھ سلام کی بھی تاکید ہے۔

بند نمبر ۲۲،۲۱

بند نمبر ۲۱، ۲۲ میں اعلیٰ حضرت کے اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اس شفقت و رحمت کا مذکور ہے جو انھیں اپنی امت سے خاص اور عوام الناس سے عام ہے یعنی حقوق العباد۔ اور جو صفات جمع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں (خلق کے دادرس، سب کے فریادرس، کہفِ روزِ مصیبت، بیکس کی دولت، بے بس کی قوت) اور جناب ناظم نے اپنی تضمین میں جو ترکیبی صفات اکٹھی کی ہیں وہ ہیں (شاہِ نوری جبلت، روحِ عرفان و خلت، کل خلایق کی صفوت) ان صفات کو "بے کس کی دولت"، اور "بے بس کی قوت" کے ساتھ مربوط کرنے کی سعیِ ناکام کی گئی ہے۔ اس طرح (خلق کے دادرس، سب کے فریادرس) کے ساتھ جو مصرعے لائے گئے ہیں وہ یہ ہیں (جس پہ بیٹھی کبھی نہ ذباب و مگس)، (جس نے توڑا حصارِ ہوا و ہوس)، (جس کی مدحت پہ قادر ہے خلّاق بس)۔ ناظم کے یہ مصرعے بھی زیرِ تضمین مصرعوں سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اسمائے صفات جمع کئے ہیں اور ناظم نے بھی۔ یہ درست ہے لیکن اس طرح تو آپ کوئی سے اسمائے صفات اٹھا کر کسی بھی مصرع کے ساتھ ملحق کر کے کہہ سکتے ہیں کہ تضمین ہو گئی۔

بند نمبر ۲۹

بند نمبر ۲۹ میں اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

سببِ ہر سبب، منتہائے طلب
علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام

جنابِ ناظم نے تضمین کرتے وقت شعر کی طرف سرسری نگاہ کی ہے۔ اسی لئے "منتہائے طلب" کو ردیف بنا کر برقرار رکھا ہے۔ مگر نبھاہ نہ پائے۔ ہر ترکیب کے ساتھ ردیف "منتہائے طلب" تو مربوط نہیں ہو سکتی تھی۔ (شاہِ امی لقب، مظہرِ شانِ رب، وجہِ فرح و طرب)، ان بندشوں کو دیکھیے۔ محسوس ہوتا ہے کہ صرف قوافی کی جماعت بندی پر دھیان ہے۔ صرف ایک لفظ (وجہ)، (سبب) سے علاقہ رکھتا ہے۔ باقی تراکیب اس لحاظ سے اپنی معنویت کھو دیتی ہیں۔ "سبب، طلب، علت"، ان کا تو

آپس میں کوئی ربط بنتا ہے مگر "لقب" اور طلب" میں کوئی قرینہ نہیں۔ جہاں اعلیٰ حضرت کے مصرعوں میں تکرارِ الفاظ سے غنائیت اور موسیقیت جنم لیتی ہے وہاں ناظم کے ہاں خامی اور نقص بن کر ابھرتی ہے۔ محترم ناظم نے اعلیٰ حضرت کے اس مصرع "سببِ ہر سبب، منتہائے طلب [۹۱]" کو قائم رکھا ہے حالانکہ اسی قبیل کے مصرعوں کو فنی نقص کا حامل گردان کر قابلِ گردن زدنی قرار دے دیا تھا۔

بند نمبر ۳۱

تضمین کا پورا خمسہ اس طرح سے ہے۔

جس کے دم سے دریدہ قبائیں سلیں   نعمتیں جس کے آنے سے سب کو ملیں
جس کی آمد سے باطل کی چولیں ہلیں   "جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام"

حضرت ناظم کے پہلے دو مصرعے اپنے اپنے مقام پر بہت خوب ہیں، مگر تیسرا مصرع کسی اور مقام کا متقاضی ہے۔ یہ درست ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی آمد سے "باطل کی چولیں ہلیں" لیکن (گلِ پاک منبت) اور (جلوہ سے مرجھائی کلیاں کھلیں)، یہ سب حسن و جمال کی باتیں ہیں۔ جلال کی کیفیت کا اظہار نہیں۔ عجیب معاملہ ہے جہاں جلالِ حضور کا ذکر ہو، ناظم ذکرِ جمال سے متعلق تراکیب تراش لاتے ہیں اور جب جمال کی بات ہو تو وہ جلال سے مملو الفاظ کی جستجو میں ادھر ادھر نکل جاتے ہیں۔ جناب ناظم کے تینوں مصرعے باہم بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

یہاں سے اعلیٰ حضرت سراپا نگاری کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور سراپا، ممکن ہے اور صاحبانِ علم و فن نے بھی لکھا ہو۔ لیکن لفظوں کا انتخاب اور خال و خط کی مناسبت سے تراکیب کا وضع کرنا اور مقام رسالت کو بھی ملحوظ رکھنا، یہ صرف اعلیٰ حضرت ہی کا کام ہے۔ جنابِ ناظم بایں علم و فن کہیں بھی اعلیٰ حضرت کے ہم قریں نہیں ہوئے۔ اور سراپا نگاریِ محبوب سے منہ موڑ کر جس طرف چاہا نکل گئے اور جو قلم سے نکلا، لکھ دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر بندشیں، تراکیب، تشبیہات، اعلیٰ حضرت کے کلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ ان کے اکثر مصرعے، اعلیٰ حضرت کے اشعار سے قطعاً مربوط نہیں اور تضمین کے جو لغوی و اصطلاحی معنی ہیں، ان پر جناب ناظم کی تضمین پوری نہیں اتری اور اس لحاظ سے ناظم سخت ناکام ناظم ہیں ان کا طریق کار یہ ہے کہ شعر میں سے ایک لفظ یا ایک خیال لیا، اس پر اپنی

ثلاثی مرتب کی اور اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اول پر قافیہ یا ردیف کی بنیاد رکھی اور اسے اٹھا کر اعلیٰ حضرت کے شعر سے ملحق کر دیا اور یہ خمسہ ان کی تضمین ہو گئی۔ اتنی طویل اور غیر مربوط تضمین کو دیکھ کر ایک اور خیال بھی ابھرتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے مصارعِ اولیٰ کے قوانی ایک صفحے پر لکھ لئے اور اس کے بعد سلام کو نظرانداز کر کے تین تین مصرعے تیار کرتے گئے اور بعد میں ہر اس قافیہ کے ساتھ ملا دیا جس پر ثلاثی بُنی گئی تھی۔ اور اس طرح بعض مقامات پر مصرعے مربوط نکل آئے اور بیش از بیش مصرعے اجنبی بن کر رہ گئے۔

جن حضرات نے تضمین کی ہے ان کے پیش نظر مخصوص اغراض و مقاصد رہے جن میں شہرۂ تقدیس بھی ایک سبب تھا اور ہے لیکن شاعر کے فکر و خیال سے مناسبت نہ ہونے کے باعث تضمین کا کلام ان کے دیگر کلام سے پھیکا رہا۔ اس میں وہ بلند پایہ شعرا بھی شامل ہیں. جنھوں نے تضمین کا شغل تو اختیار کر لیا مگر محنت سے کترا گئے۔ کسی شاعر پر یہ پابندی تو خیر عائد نہیں کی جا سکتی کہ وہ تضمین نہ کرے لیکن اگر وہ کسی طرح اس میدان میں آ ہی نکلا ہے تو اسے اس جبر کو بھی برداشت کرنا ہو گا۔ اور اپنے فکر و شعور کو شاعر کے قلب و ذہن میں داخل کر کے اس کے جذبہ و فکر میں ضم کرنا ہو گا ورنہ خمسہ نما تضمین جو شاعر کے کلام کی توضیح و تشریح سے منسلک ہے۔ کلامِ زیرِ تضمین سے متغایر ہی رہے گی۔

بند نمبر ۳۲

پورا بند اس طرح سے ہے

شاہ دنیا شفاعت گر آخرت حامل پرچم عزت و مکرمت
جس کے دم سے ہے انساں فلک مرتبت "قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِّ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام ۹۲

تسلیم کہ جناب ناظم کے تینوں مصرعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں ہیں لیکن ان تینوں مصرعوں میں کوئی لفظ یا ترکیب ایسی بھی ہے، جس کا علاقہ "قدِ بے سایہ" سے بنتا ہو؟ (قد بے سایہ کے سایہ مرحمت) میں (کے) کا تعلق (پہ لاکھوں سلام) سے ہے ورنہ (کا) کا مقام تھا جناب احمد ندیم قاسمی موجودہ دور کے معروف ترقی پسند شاعر اور افسانہ نگار ہیں۔ عمر کے آخری حصے میں نعت تخلیق کرنے لگے ہیں، عجیب بات ہے کچھ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ کوئی آزاد منظوم

ترجمہ کر رہا ہے اور کوئی آزاد نظم کے پیکر میں۔ اس سے کتنوں کا بھلا ہوگا اور کتنوں کا ایمان خراب۔ اس کا فیصلہ تو رب العلمین کے حضور میں ہوگا اور یہی حال ہماری نعت نگاری کا ہے اس کا علم بھی خدا بہتر رکھتا ہے۔ بہر کیف قاسمی صاحب کا ایک نعتیہ شعر اکثر پڑھا جاتا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا

میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے اپنے اندازِ نظر کو پیش کیا ہے۔ اور (قدِ بے سایہ) کے انکار کا جواز پیدا کر لیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ تیرے پیکر کا سایہ نہ تھا۔ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ میں تو آپ کے سایہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں اور مانتا ہوں کہ آپ کا سایہ تو زمانے بھر پر ہے۔ یہ ہے بظاہر اجتماعِ نقیضین مگر ایسا نہیں شاعر معنوی طور پر صرف (سایۂ رحمت) کا قائل ہے اور (قدِ بے سایہ) کا منکر۔ (قدِ بے سایہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائصِ کبریٰ میں سے تھا۔ لیکن اگر ہم ایسی نعت ---- جو قاسمی صاحب اور دیگر نعت گو بزعمِ خود جدید نعت لکھ رہے ہیں۔ نہ لکھیں تو ہماری جدّت طرازی کا بھرم قائم نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بیشتر نعت قلبی وابستگی کے بغیر، ذہن سے تخلیق ہو رہی ہے۔ ہمارا شعور، حقیقی نعت سے ناآشنا ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری سماعتیں جذب و شوق سے مملو اشعار کی شیرینی سے محروم ہوتی جا رہی ہیں۔ سچی بات ہے ہم اس ماحول سے ہی کٹ چکے ہیں، جو حقیقی نعت کا ماحول تھا۔ ہماری روح مجروح ہو کر بھی اب اس ہاتھ کو پہچاننے سے قاصر ہے جس نے تیر چلایا تھا۔ یہی وجہ ہے نعت گو بھی کہلاتے ہیں ثنا خوانِ رسول کہلوا کر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ اسی بنا پر عمرہ و حج کا سامان بھی فراہم کر لیتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و کمالات کے مقر بھی نہیں۔ قد کی مناسبت سے اکرم رضا کا ایک شعر کس قدر جامع اور واضح ہے۔ اعلیٰ حضرت کے شعر کی کس خوبصورتی سے وضاحت کرتا ہے۔

جسم بے سایہ، مگر ظلِّ خدا ہیں آپ ہی

۹۳

آپ پر سایہ خدا کا، ہم پہ سایہ آپ کا

جناب قاسمی کی نسبت اکرم رضا نے "سایۂ جسمِ حضور" کو کتنے پیارے انداز میں حقیقت اور مجاز کے رنگوں میں بیان کیا ہے۔

بند نمبر ۳۶

جس کی یادیں ہیں گرتے ہوؤں کا عصا جس کے سائے کا دریوزہ گر ہے ہما
نور ارض و سما ان کے رخ کی ضیا "وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مصطفیٰ
للّٰہ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام "[۹۴]

اعلیٰ حضرت کے شعر میں بلاضرورت اور بلا جواز تحریف کی گئی ہے۔ جناب احمد رضا نے (لکہ ابر رافت) لکھا ہے جسے جناب شمس بریلوی نے حدایقِ بخشش مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی میں تو برقرار رہنے دیا ہے لیکن جب ناظم نے اسے تبدیل کیا تو انھیں بھی خود پر اعتماد نہ رہا۔ انہوں نے اسے بدلنا مناسب سمجھا اور اسی کے مطابق تضمین کی ہے۔۔ کیا "ابرِ رحمت" ہی ممکن ہے "ابرِ رافت" نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ ترکیب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفتِ اقدس کو بیان کرنے سے قاصر ہے؟ اس کے لئے لغت اور قرآنِ مجید ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

رافت = رحمت کی شدت (علمی اردو لغت)

رَأَفَ (ف) رَأفۃ ورَؤُفَ (ک) بہت رحم کرنا۔ بہت مہربان ہونا

رَحِمَ (س) رَحْمَۃً ومَرْحَمَۃً = کسی پر رحم کرنا، ترس کھانا (فیروز اللغات)

قرآن مجید نے دونوں مصادر سے اسم فاعل، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں بیان فرمائے ہیں۔

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین . رؤف رحیم[۹۵] O

بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان[۹۶]

لغت اور قرآنی تصریحات کے بعد کسی قسم کا شبہ نہیں رہ جاتا کہ اعلیٰ حضرت نے جو لفظ استعمال کیا وہی درست تھا رافت میں رحمت بدرجۂ کمال ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خوان رحمت ص ۲۰، مرکزی مجلس رضا لاہور
۲۔ شرف قادری، عبدالحکیم، شرح سلام رضا ص ۴۳ بار دوم ۱۹۹۴ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور
۳۔ شرف قادری، عبدالحکیم، شرح سلام رضا ص ۴۲ بار دوم ۱۹۹۴، مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور
۴۔ شرح سلام رضا۔ ص ۴۶ ایڈیشن مذکور
۵۔ شرح سلام رضا۔ ص ۵۱ ایڈیشن مذکور
۶۔ محمد خاں قادری، مفتی، شرح سلام رضا۔ ص ۵۶ ایڈیشن مذکور
۷۔ القرآن پ ۱ رکوع ۱۶
۸۔ کنزالایمان (۱۶۱)، ص، ۳۶ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۹۔ القرآن پ ۹ رکوع ۷
۱۰۔ کنزالایمان (۱۶۱)۔ ص ۳۰۱ مطبع مذکور
۱۱۔ القرآن پ ۳ رکوع ۱۲
۱۲۔ کنزالایمان (۱۶۱)۔ ص ۹۷ مطبع مذکور
۱۳۔ القرآن پ ۳ رکوع ۱۳
۱۴۔ کنزالایمان (۱۶۱)۔ ص ۹۹ مطبع مذکور
۱۵۔ القرآن پ ۲ رکوع ۱۶
۱۶۔ کنزالایمان (۱۶۱) ص ۷۳ مطبع مذکور
۱۷۔ القرآن پ ۱ رکوع ۱۶
۱۸۔ کنزالایمان (۱۶۱) ص ۳۶ مطبع مذکور
۱۹۔ القرآن پ ۱۹ رکوع ۲۰ سورہ نمل آیت ۹
۲۰۔ کنزالایمان (۱۶۱) ص ۶۸۶ مطبع مذکور
۲۱۔ حاشیہ۔ ص ۶۸۶ مطبع مذکور
۲۲۔ القرآن پ ۲۲ رکوع ۱۶
۲۳۔ کنزالایمان (۱۶۱) ص ۷۸۸ مطبع مذکور
۲۴۔ القرآن پ ۲۳ رکوع ۱۳
۲۵۔ کنزالایمان۔ ص ۸۲۱ مطبع مذکور
۲۶۔ شرح سلام رضا۔ ص ۵۶ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور
۲۷۔ شرح سلام رضا۔ ص ۵۶ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور
۲۸۔ القرآن پ ۳ رکوع ۹
۲۹۔ کنزالایمان۔ ص ۹۰، ۹۱ مطبع مذکور

۳۰- القرآن پ ۲۱ رکوع ۳

۳۱- کنزالایمان- ص ۷۲۷ مطبع مذکور

۳۲- القرآن پ ۸ رکوع ۱۲

۳۳- کنزالایمان- ص ۲۸۰ مطبع مذکور

۳۴- القرآن پ ۲۵ رکوع ۳

۳۵- کنزالایمان- ص ۸۷۱ مطبع مذکور

۳۶- القرآن پ ۷ رکوع ۱۶

۳۷- کنزالایمان- ص ۲۴۹ مطبع مذکور

۳۸- القرآن پ ۷ رکوع ۱۰

۳۹- کنزالایمان- ص ۲۳۷ مطبع مذکور

۴۰- القرآن پ ۷ رکوع ۱۵

۴۱- کنزالایمان- ص ۲۴۶ مطبع مذکور

۴۲- خوان رحمت- ص ۲۰

۴۳- القرآن پ ۵ رکوع ۴

۴۴- ملفوظات اعلیٰ حضرت (فاضل بریلوی)- حصہ اول ص ۱۲۵ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۴۵- کعب بن زہیر، حضرت، قصیدہ بانت سعاد ادب منزل کراچی، ۱۳۹۴ھ

۴۶- عارف، فضل احمد، شرح قصیدہ بانت سعاد- ص ۶۵- ۱۶۳ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل کراچی ۱۳۹۴ھ

۴۷- خوان رحمت- ص ۲۰

۴۸- سورہ الاحزاب : آیت ۵۶ پ ۲۲ رکوع ۴

۴۹- نور الھدایہ ترجمہ شرح وقایہ جلد مولوی وحید الزماں، جلد اول- ص ۱۵۰ مطبع زراتی واقع کانپور ۱۳۲۵ھ

۵۰- خوان رحمت- ص ۲۱

۵۱- شرح سلام رضا- ص ۱۰۶

۵۲- شرح سلام رضا- ص ۱۱۳

۵۳- خوان رحمت- ص ۲۱

۵۴- شرح سلام رضا- ص ۱۲۱

۵۵- سید محمد ذوقی- سردلبراں- ص ۸۲- ۱۳۸۰ اجمیر شریف

۵۶- محمد عبدالصمد، اصطلاحات صوفیہ- ص ۱۲۰ مکہ بکس لاہور

۵۷- نور اللغات

۵۸- خوان رحمت- ص ۲۲

۵۹- خوان رحمت- ص ۲۲

۶۰- **کشف المحجوب**، علی بن عثمان ہجویری، حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ العزیز- ص ۳۲۳، اسلامیہ سٹیم پریس ۱۹۲۳ء

۶۱- محمد عظیم فاروقی القادری، حکیم، (بیاض مملوکہ کعبی)
۶۲- عبدالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالقاسم، رسالہ قشیریہ- ص ۳۴، دارالکتب العربیہ الکبری مصر ۱۳۳۰ھ
۶۳- ترجمہ رسالہ قشیریہ، پیر محمد حسن، ڈاکٹر- ص ۲۰۸، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد طبع دوم ۱۹۸۸ء
۶۴- اصطلاحات صوفیہ- ص ۱۶۰، محمد عبدالصمد، مکہ بکس لاہور
۶۵- سردلبراں- ص ۳۶۴
۶۶- اصطلاحات صوفیہ- ص ۳۵ محمد عبدالصمد- مکہ بکس لاہور
۶۷- القرآن پ ۱۱ رکوع ۵
۶۸- رفیع الشان مترجم قرآن عظیم ترجمہ از اعلی حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی- ص ۳۳۱ تاج کمپنی لمیٹڈ
۶۹- خوان رحمت- ص ۲۲
۷۰- حدایق بخشش حصہ دوم- ص ۲۲ حسنی پریس بریلی
۷۱- جہان رضا، ماہنامہ- ص ۵۸ مارچ ۱۹۹۴ مرکزی مجلس رضا لاہور
۷۲- آموز گار، حبیب اللہ، فرہنگ- ص ۲۴، کانون معرفت- تہران چاپ دوم ۱۳۳۳ھ
۷۳- غالب، مرزا اسد اللہ خاں، بحوالہ حیات جاوید- ص ۱۰۴، مولانا حالی، آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۶ء
۷۴- خوان رحمت- ص ۲۲
۷۵- حدایق بخشش حصہ دوم- ص ۲۲
۷۶- جہان رضا- ص ۵۹ مارچ ۱۹۹۴ء، مرکزی مجلس رضا لاہور
۷۷- نعیم الدین مراد آبادی- تفسیری حاشیہ ترجمہ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی- ص ۳، تاج کمپنی لاہور
۷۹- ثناء اللہ پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری مترجم عبدالدائم الجلالی- ص ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۸۰- شجرۃ الکون، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز- ص ۵۵ مترجم صوفی محمد صدیق بیگ، علی برادران فیصل آباد ۱۹۸۵ء
۸۱- حدایق بخشش حصہ دوم- ص ۲۲
۸۲- سردلبراں- ص ۳۲۵
۸۲ (الف) سردلبراں- ص ۱۸۰
۸۳- سردلبراں- ص ۵۰۷
۸۴- سردلبراں- ص ۵۰۴
۸۵- نذیر احمد، پروفیسر، اقبال کے صنائع بدائع- ص ۵۱، ۵۷، ۱۰۸ آئینہ ادب لاہور بار اول ۱۹۶۶ء
۸۶- بیہقی، علی المقری، ابوجعفر- تاج المصادر- مطبع نامی لکھنؤ جنوری ۱۸۹۳ء
۸۷- سردلبراں- ص
۸۸- اللہ دتا، صوفی، کاشف کید الثعلب فی ایمان ابی طالب- ص ۷۲ ادارہ اشاعت اسلام وسن پورہ لاہور
۸۹- شیخ عطا محمد- جہان رضا، ماہنامہ، مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۵۹
۹۰- خوان رحمت- ص ۲۳
۹۱- خوان رحمت- ص ۲۴

۹۲- خوان رحمت۔ ص ۲۵
۹۳- اکرم رضا، نعت، ماہنامہ اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۹۱ لاہور
۹۴- خوان رحمت۔ ص ۲۶
۹۵- القرآن پ ۱۱ رکوع ۶
۹۶- رفیع الشان مترجم قرآن عظیم ترجمہ از اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ ص ۳۳۱ تاج کمپنی لمیٹڈ

بند نمبر ۳۸

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

لختِ لختِ دلِ ہر جگر چاک سے

شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام[۱]

جناب ناظم نے شاید قسم کھالی تھی کہ قریب قریب ہر شعر میں تحریف کر کے دم لیں گے۔ اور یہ شعر بھی اسی لئے نشانۂ ستم بنا ہے۔ محترم ناظم صاحب نے دوسرا مصرع یوں بنادیا ہے "شانہ کرنے کی عادت پہ لاکھوں سلام" ۔۔۔۔انھوں نے (عادت) کو (حالت) پر ترجیح دی ہے۔ جناب شمس بریلوی نے (حالت) کو اسی حالت پر قائم رکھا۔ رفاہِ عام پریس آگرہ کے مطبوعہ نسخہ کے مرتب نے بھی اسے یوں ہی برقرار رکھا[۲]۔ فرید بک سٹال کے نسخہ میں بھی اسی طرح ہے۔[۳]

اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں اتنا بھرپور اور خوبصورت تغزل موجود ہے کہ باید و شاید ہی کسی غزل گو نے بھی اس کیفیت کا اظہار کیا ہو۔ شاعر کی Inspiration کا تعلق عادت سے نہیں، حالت سے ہے۔ محبوب کا ایک عمل یا فعل، اگر عادۃً وقوع پذیر ہوتا ہے تو اس میں کوئی کشش یا دلکشی نہیں ہوتی اور اس میں جذب کی وہ شدت نہیں ہوتی۔ محبوب مجازی ہو یا حقیقی۔ سوال لفظ کا ہے کہ اس مقام پر کون سا لفظ ہونا چاہیے جو کیفیت کا اظہارِ تام کر سکتا ہو۔ تو "عادت" تو اس کا روزمرہ کا معمول ہے اور اس میں کسی کے قلب و جاں میں وجدانی کیفیت پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ حسن کے ساتھ جب بات شانہ کرنے تک پہنچے گی تو یہ ایک وجد آفریں صورت ہوگی اور یہ بات صرف "حالت" میں موجود ہے۔ غالب کا شعر ہے ؎

"تو اور آرائشِ خمِ گیسو

میں اور اندیشہ ہائے دور دراز"[۴]

اس میں شاعر نے دونوں مصرعوں میں ترصیع سے کام لیا ہے اور سجع سے گریز کیا ہے۔ اس کا اندرونی آہنگ محبوب کے حسن اور عاشق کی نفسی کیفیت کا بخوبی اظہار کر رہا ہے۔ واؤ اور الف کی کشیدہ صورت محبوب کی آرائش کے وقفہ کو دراز کر رہی ہے اور عاشق کے قلب و ذہن میں گمانوں کی دوری کو زیادہ سے زیادہ الجھا رہی ہے۔ اس کی ایک صورت اقبال کے ہاں دیکھیے ؎

فرصتِ کش مکش مدہ ایں دلِ بیقرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را[5]

اور اگر اعلیٰ حضرت کے شعر کا بغور جائزہ لیں تو وہاں بھی وہی عشق کی وارفتگی ہے کہ جس طرح شانہ میں دندانے ہوتے ہیں اور شانہ کرنے کی حالت میں جس طرح گیسوئے تابدار ایک ایک کر کے دندانوں میں سے گزرتے ہیں اور لخت لخت ہوتے چلے جاتے ہیں شاعر اس جگر چاک کیفیت سے دوچار ہے اور اس منظر کو دیکھ کر اس کا دل بھی لخت لخت ہوتا جاتا ہے یہی نہیں وہ محبوب کی اس محوِ آرائشِ جمال ہونے کی کیفیت پہ سلام بھیجتا ہے اور مقصود یہ کہ وہ محبوب کی اس حالت میں دوام چاہتا ہے تاکہ وہ یونہی مشاہدۂ جمالِ محبوب سے لطف اندوز رہے، سلام اس لئے بھی بھیجتا ہے کہ یہ محبوب، محبوبِ ربِ لایزال ہے۔ پھر اگر اعلیٰ حضرت نے "شانہ کرنے کی حالت" لکھا تو درست سوچا اور لکھا قرآن مجید میں کئی ایک القاب ایسے ہیں کہ خداوندِ قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جس کیفیت و حالت میں وحی نازل فرمائی، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت و حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خطاب فرمایا۔ کبھی **یٰاَیُّھاالمزمل** کہا تو کبھی **یٰاَیُّھاالمدثر**

بند نمبر ۴۰

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال
اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام[6]

جناب ناظم بلا تامل اور نہایت بے باکی سے تصرف روا رکھتے ہیں۔ اس شعر میں بھی تحریف کی اور اسے یوں بنا دیا

چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جمال
اس رگ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام[7]

اعلیٰ حضرت الفاظ و تراکیب میں اتنے اشارات و التزامات پنہاں کر دیتے ہیں کہ بیک وقت اور سرسری نظر سے ان تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ "رگِ ہاشمیت" ہی کو لیجئے اس کے اندر معانی کے کس قدر امکانات پوشیدہ ہیں، ذرا (رگ) کی لغت ملاحظہ ہو۔

۱۔ جسم کی بڑی نالی جس میں خون بہتا ہے۔ ۲۔ پھول یا پتے کا ریشہ ۳۔ آگ کا ڈورا۔ ۴۔ تار، تاگا۔ ۵۔ پٹھا۔ ۶۔ اصل ۔ ۷۔ ذات، نسل ۔ ۸۔ دودھ پلانے والی کا اثر ۔ ۹۔ عادت ۔ ۱۰۔ ضد [8]

یہاں "رگ" ۵، ۶، ۷، ۹، کے معنوں میں تو صاف صاف ظاہر ہے اور اگر پیشانیِ مبارک کو پھول قرار دیا جائے تو (۲) معنی بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جبین مبارک کو اعلیٰ حضرت نے چشمۂ مہر سے تشبیہ دی ہے۔۔۔۔اس کے اندر ابروؤں کے درمیان ایک رگ جو غصہ کے وقت حرکت میں آ جاتی اور خون سے بھر جاتی۔ اسے "موجِ نورِ جلال" کہا ہے۔ اور اس عظمت و جلال، شکوہ و جبروت، رعب و سطوت اور فتح و نصرت کے بارے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ اخبر اَنْ اَعطاہٗ مولاہٗ نصرۃً و رعبًا الی شھرٍ مُسِیْرَۃً سَارِبٖ
فاوٗ فاہٗ وعدَ النصر وَالرُّعْبِ عَاجِلًا و اعطٰی لہٗ فتح التبوک و مَارِبٖ

یعنی خبر داد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم او را پروردگارِ او فتح و ترس تا یک ماہِ مسافت راہ رونده۔ پس تمام رسانده بآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم وعدۂ نصرت و رعب شتاب و داد او را فتحِ تبوک و مارب"[9]۔ "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ کے پروردگار نے آپ کو ہر میدان میں فتح و نصرت عطا فرمائی ہے نیز ایسا رعب اور دبدبہ مرحمت فرمایا ہے کہ دشمن سفر کرنے والے کی ایک ماہ کی مسافت پر بھی ہو تو وہ خوف سے لرزہ براندام رہتا ہے"۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے نصرت و رعب کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کو بہت جلد پورا فرما دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی فتوحات کا سلسلہ مغرب میں تبوک اور مشرق میں مآرب کے دور دراز قصبوں تک پہنچ گیا تھا۔" [9-A]

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذاتی تجربہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ اَقُوْمُ مَقامًا لَوْ یَقُوْمُ بِہٖ اَرٰی وَ اَسْمَعُ مَا لَوْ یَسْمَعُ الْفِیْلُ
لَظَلَّ یُرْعَدُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ مِنَ الرَّسُوْلِ بِاِذْنِ اللہِ تَنْوِیْلُ [10]

"خدا کی قسم میں بارگاہِ رسالت میں اس طرح کھڑا (ہیبت و جلال کا منظر) دیکھ کر اور (خوف زدہ کرنے والی) باتیں سن رہا تھا کہ اگر ہاتھی (جیسا عظیم الجثہ جانور) بھی سن لیتا تو وہ ہاتھی بھی ضرور کانپنے لگتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارگاہ رسالت سے بخشش اور امان حاصل ہو جاتی" [11]

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

رَاعَتْ قُلُوْبُ الْعِدٰی اَنْبَاءُ بِعْثَتِہٖ
کَنَبْاَۃٍ اَجْفَلَتْ غُفْلًا مِنَ الْغَنَمِ [۱۲]

"دشمنان دین کے دل آپ کی تشریف آوری کی خبروں سے ایسے ڈرے جیسے شیر کی آواز بکریوں کو بے خبری میں سراسیمہ و پریشان کر کے بھگا دیتی ہے۔" [12-A] حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں

وَ مَنْ رَاٰہٗ بَدِیْھَۃً ھَابَہٗ [۱۳]

ہر کہ او را فجارۃً دیدے شکوہ داشتی او را [۱۴]

ان دلائلِ نقلیہ کے بعد دلیلِ عقلی یہ ہے کہ سورج ہیبت و جلال کا مظہر ہے نہ کہ جمال کا اور یہ عام روزانہ کا مشاہدہ ہے۔

بند نمبر ۴۱

اعلیٰ حضرت کا شعر اس طرح سے ہے۔

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اوس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام [۱۵]

"خوانِ رحمت" میں شعر کی صورت تبدیل ہو کر اس طرح ہو گئی ہے۔

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

قریب قریب سبھی مرتبین نے "جبینِ سعادت" ہی کو برقرار رکھا ہے۔ ہم یہاں عطا محمد کے ریمارکس پر اکتفا کرتے ہیں "شمار ۱۴ کے مصرع پنجم میں "جبین شفاعت" تحریر ہے جبکہ حدایقِ بخشش میں "اس جبینِ سعادت" تحریر ہے جو شفاعت کے سہرے کی مناسبت سے موزوں ہے۔ سعادت سے رفعتِ جبیں کا اظہار ہوتا ہے ویسے بھی ایک ہی شعر میں ایک ہی لفظ "شفاعت" کا دوبار استعمال حضرت علامہ علیہ الرحمۃ سے بعید ہے کیونکہ مجدد علیہ رحمۃ کی بارگاہ میں الفاظ و معانی ہر قسم پیش ہو کر مستعمل ہی نہیں، باعث صد افتخار جانتے ہیں۔ وہاں الفاظ کی کمی نہ ہے بلکہ انتہائی کثرت ہے۔ ایک لفظ کا دوبار استعمال اور وہ بھی بالکل ملحق صورت میں واقعہ (؟) ہونا کمیِ الفاظ پر دلالت کرتا ہے" [15-A]

شیخ عطا محمد نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ یہاں تو شعر خود ان کی پسندیدگی کا منتظر رہتا ہے۔ بقول غالب ؎

مانبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما [۱۶]

جناب ناظم کی تضمین کا پورا بند اس طرح سے ہے ؎

نور حق حمد خلاق کرتا رہا حجلہ ناز میں خوب پلتا رہا
بہر عفو خلائق مچلتا رہا "جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبین شفاعت پہ لاکھوں سلام" [۱۷]

پہلے اور تیسرے مصرع میں "خلاق" اور خلائق" میں اشتقاق ہے اور تسلیم کہ یہ باہم مربوط مگر یہ دوسرا مصرع! اس کا کیا کیا جائے؟ یہ حجلہ ناز میں خوب پلتا رہا "کس کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ بظاہر تو اس سے مراد ہے کہ پل پل کے خوب جسم نکلا اور (نور حق) کے ساتھ (مچلنا) کا استعمال کسی بلند معیارِ فکر و انتخاب کی علامت نہیں۔

بند نمبر ۴۲

نوبت معفرت چار جانب بجی راستی آ گئی مٹ گئی ہر کجی
جن کے آنے سے بزم رسالت سجی "جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام" [۱۸]

جناب ناظم کے خمسے میں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کی مجموعی کیفیت کا ذکر ہے۔ جبکہ فاضل بریلوی "بھوؤں" کی لطافت پر سلام بھیج رہے ہیں اور اسی لئے (محراب کعبہ) کا تلازمہ استعمال کیا۔ ابروؤں کو عام طور پر محراب سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن حضرتِ ناظم نے اس طرف بالکل التفات نہیں فرمایا اور اپنی فکر کو اس سمت منعطف نہیں ہونے دیا۔

جناب پروفیسر حفیظ تائب، ناظم کے فکر و فن پر اظہار رائے فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"ناظم صاحب علوم جدیدہ و قدیمہ پر کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کے جدید تقاضوں سے بھی باخبر ہیں۔ اس لئے ان کی تضمین کے ذریعے فکر و فن کے مزید افق سامنے آنے ہیں" [۱۸-A]

ہم جناب تائب ہی کی فراہم کردہ امثلہ سے اس شعر کی تضامین نقل کر رہے ہیں۔

۱-اختر الحامدی:-

لامکاں کی جبین بہر سجدہ جھکی　　رفعت منزل عرش اعلیٰ جھکی
عظمت قبلہ دین و دنیا جھکی　　"جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[19]

۲-عزیز حاصل پوری:-

ماہ نو نے سدا جن کی تعظیم کی　　بزم قوسین کو جن سے عظمت ملی
جن پہ صدقے ہوا حسن تقدیس بھی　　"جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[20]

۳-عبدالسلام شفیق:-

جھک گئے جن کے آگے رسول و نبی　　گردن عرش جن کے لئے خم ہوئی
شان حق ٹپکی وہ شان حق سے ملی　　"جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[21]

۴-راجہ رشید محمود:-

جن کی تکریم اسرا کی شب کی گئی　　جن کی عزت ظہور مہ نو نے کی
جن کی عظمت سے پشت فلک خم ہوئی　　"جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[22]

۵-اسلم بستوی:-

بے شکن ابروئے نور کی دلکشی　　مدح کیا ہو بیاں حسن قوسین کی
وہ نزاکت، نفاست، وہ پاکیزگی　　"جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[23]

۶-بشیر حسین ناظم:-

نوبت مغفرت چار جانب بجی　　راستی آ گئی مٹ گئی ہر کجی

جن کے آنے سے بزم رسالت سجی "جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[۲۴]

۷-عبدالغنی سالک :-

جھوم کر شانِ عرشِ معلّٰی جھکی وجد میں رونقِ خلدِ ماوٰی جھکی
رفعتِ طور، توقیرِ اقصٰی جھکی "جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[۲۵]

۸-طارق سلطان پوری :-

اللہ اللہ تعظیم سرکار کی آتش فارس وہ آئے تو بجھ گئی
مچ گئی بزم اصنام میں تھرتھری "جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام"[۲۶]

آخری دو تضامین کو چھوڑ کر باقی تضامین پر پہلے جناب حفیظ تائب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

"مختلف شعرا کی تضامین کے جو اشعار پیش کئے گئے ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بشیر حسین ناظم کا راہوارِ تضمین اکثر سے آگے نکلتا نظر آتا ہے"[۲۷]

ان مذکورہ آٹھ تضامین کا بے لاگ جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ

۱۔ جناب اختر الحامدی نے "محراب، کعبہ، جھکی" تین لفظ پیش نظر رکھ کر تضمین مکمل کردی "بھووں کی لطافت" سے صرفِ نظر کر لیا۔ حالانکہ یہاں حسن و جمال کا ذکر غالب ہے اور اسی حسنِ انوار کے باعث محرابِ کعبہ سجدہ ریز ہوئی۔

۲۔ شفیق، رشید اور سالک کی تضامین میں معنوی ابہام ہے۔ ان سے یہ واضح نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کی بات کر رہے ہیں یا بھووں کی البتہ عزیز کے ہاں "ماہِ نو، قوسین، حسنِ تقدیس، عظمت" کے الفاظ عظمت و لطافت کے حامل ہیں جو اعلیٰ حضرت کے شعر کی جانب صحیح اور بالوضاحت اشارہ کناں ہیں۔

۳۔ اسلم بستوی کا اسلوب جاندار ہے اور وہ بھی کامیاب رہے ہیں۔

۴۔ جناب ناظم کے خمسہ پر آغاز میں ہی تبصرہ کر آئے ہیں۔

۵۔ جناب طارق سلطان پوری نے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ناظم کی تضمین کو سامنے رکھ کر طبع آزمائی کی ہے۔ ناظم کی تراکیب دقیق ہیں اور مغلق، طارق نے آسان تراکیب استعمال کی ہیں۔ مگر اس پر نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے کہ حشو و زوائد سے مبرا اور پاک صاف ہو کر بجھتی آنکھوں کو روشنی بخش سکے۔

بند نمبر ۴۳

تضمینی بند پورا ملاحظہ ہو۔

حلقہ عین ہیں مثل گلشن مژہ چشم حیراں میں ہم شکل گلبن مژہ
دیدہ نور پر ایک چلمن مژہ "ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ
ظلہ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام"[۲۸]

مژہ کو گلشن کے ساتھ تشبیہ دینے میں کوئی وجہ شبہ موجود نہیں۔ گلشن کے معنی ہیں گلزار۔ گلستان۔ باغِ گُل (آموز گار) اور ہم (مژہ کے بال) کو گُل کے مشابہ قرار نہیں دے سکتے کہ ان میں مشابہت کا کوئی قرینہ نہیں۔ دوسرا مصرع (چشمِ حیراں میں ہم شکلِ گُلبُن مژہ)، ایک تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی چشم مبارک کو "چشمِ حیراں" قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے۔ یہ مقامِ نبوت سے فروتر ترکیب ہے۔ حیران کے معنی ہیں ہکابکا، متحیر، حیرت زدہ، پریشان، متعجب۔

حیرت مقام ہے "سالک کا مرتبہ احدیت میں محو ہو جانا"[۲۹] اور یہ محویت سکر کا مقام ہے اور "سکر روحانی حال کے غلبہ کا نام ہے"[۲۹-A] اور جو ذات احدیت میں فنا ہوتا ہے وہ اس محویت میں ہدایت و رسالت کا فریضہ، کماحقہ سرانجام نہیں دے سکتا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بڑا معروف قول ہے "محمد مصطفیٰ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید، واللہ ما باز نگردیم" اس کی تفصیل یوں ہے کہ "ایک دفعہ میر یونس علی بیگ حضرت شیخ کی ملاقات کے لئے گنگوہ آئے، دیکھا کہ آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر انھوں نے ساز بجانے کی اجازت طلب کی، ساز کا بجنا تھا کہ حضرت شیخ پر بیخودی اور محویت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ یہاں تک کسی چیز کا شعور نہ رہا۔ اس وقت شیخ فرید طلنبی تھانیسری بھی حاضر تھے۔ اسی عالم سرمستی میں کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ کی زبان سے کچھ کلمات شطحیات نکلے آپ نے فرمایا کہ "محمد مصطفیٰ در قاب قوسین او ادنیٰ رفت و باز گردید، واللہ

ماباز نگرویم" پھر تھوڑے سے وقفے کے بعد آپ نے اسی حالت میں اپنے اس قول کی توجیہ و توضیح کرتے ہوئے فرمایا "محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم عہدہ دار و لنگر دار بود، باز گردید، ماجان باختہ و جہاں تافتہ باز نگردیم، مراد لنگر داری و عہدہ داری ظاہر است کہ عہدۂ نبوت و تبلیغ رسالت و لنگر دعوت تمام عالم حوالہ حضرت مصطفیٰ بود" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم)[۳۰]

اقبال نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "یہ مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے الفاظ ہیں جن کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرۂ ادب میں مشکل ہی سے ملے گی، شیخ موصوف کے اس جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کر لیتے ہیں جو شعورِ ولایت اور شعورِ نبوت میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا وارداتِ اتحاد میں اسے جو لذت و سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے اگر آئے بھی جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوعِ انسانی کے لئے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا برعکس اس کے نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے وہ ان واردات سے واپس آتا ہے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرّف سے جو تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے"[۳۰-A]

"سکر اور محویت" پر مشتمل مقام"اس بندہ حق کو حاصل ہوتا ہے جس پر محویت اور سکر کے اثرات اس قدر غالب ہوتے ہیں کہ ان کے اثرات سے وہ خود اپنی روح کے نور میں غائب ہو جاتا ہے"[۳۱]

(یکون ذلک لمن غابت نفسہ، فی نور روحہ لغلبۃ سکرہ و قوۃ محوہ)

اور اب حیرت کا مقام ملاحظہ ہو "شیخ واسطی فرماتے ہیں "کہ وجد کے مقامات چار ہیں۔ ۱۔ ذہول ۲۔ حیرت۔ ۳۔ سکر۔ ۴۔ صحو ان مراتب و مقامات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر کا حال سنے، پھر وہ سمندر کے قریب جائے پھر وہ سمندر میں داخل ہو جائے اس کے بعد سمندر کی لہروں میں گھر جائے، اس تمثیل کے مطابق جس کسی میں حال کا کچھ اثر باقی رہتا ہے اس پر سکر کا اثر باقی رہتا ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مقام پر لوٹ آئے تو اس کی اس وقت کی حالت صحو کی ہوتی ہے پس سکر (ہر ایک کے لئے نہیں) صرف ارباب قلوب کے لئے ہے اور صحوان کو نصیب ہوتا ہے جن پر غیبی حقایق کا انکشاف ہو جاتا ہے"[۳۲]

اور یہ تمام باتیں اور مقامات، صوفیہ کے لئے ہیں اور اس سالک کے لئے ہیں جو یہ مقامات فقرے

کر رہا ہو مگر یہ مقاماتِ عظیمہ بھی تو نبی اور رسول کے نقشِ قدم کی بدولت عطا ہوتے ہیں اس لئے چشمِ حیراں کا اطلاق ہم چشمِ نبوت پر نہیں کر سکتے۔ ع

چشم حیراں میں ہم شکل گلبن مژہ

اگر گلبن گلشن کے وزن اور قافیہ پر آیا ہے۔ وہی اعراب ہونے چاہئیں۔ صرف ماقبل روی متحرک ہے تو یہ گُلْبُنْ ہو گا اور اگر ایسا نہیں' یہ قافیہ کا عیب ہے۔ اور پھر اگر یہ گلبَنْ ہی ہے تو یہاں "مژہ" سے لغوی طور پر تشبیہ کا علاقہ قائم کرنے سے عاجز ہے۔ لغت کا مطالعہ شاید مزید افادہ کا باعث ہو۔ دیکھئے۔

گُلبَنْ = پھلواڑی

گُلبُنْ = ۱۔ گلاب کا پودا ۲۔ گلاب کے پودے کی جڑ ۳۔ کسی درخت کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے (اردو علمی لغت)

گُلبُنْ = درختِ گل، بوٹہ گل (فرہنگ آموزگار)

"ہم شکل" کا لفظ تشبیہ کے لئے آیا ہے حرف تشبیہ کے طور پر، اس لئے یہ لفظ گُلبُنْ ہو گا اور یہ عیوبِ قافیہ سے ہے اعلیٰ حضرت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی چشمانِ پُرنور کو "قصرِ رحمت" قرار دے کر "مژگانِ مبارک" کو "قصرِ رحمت" کا سائبان" یا چھجا (ظُلّہ) کہا پلکوں کی وجہ سے آنکھوں پر سایہ رہتا ہے جس سے گرد و غبار، گرمی سردی اور موسمی شدائد سے محفوظ رہتی ہیں۔

بند نمبر ۴۵

اعلیٰ حضرت "نرگسِ باغِ قدرت" کے تلازمہ سے (قَدْرَئی) اور (مازاغ البصر) وما طغیٰ کا استعمال کر کے چشمانِ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے خوبصورت تراکیب وضع کرنے میں کامیاب رہے مگر جناب ناظم نے آنکھوں کی مناسبت کو سامنے نہیں رکھا اور اسی لئے بحر، چشمہ، شاہ ود، آبشار، تلزم جیسے الفاظ استعمال کرنے کے باوجود وہ ربط قائم کرنے میں ناکام رہے۔ ناظم صاحب نے اوپر دی گئی تراکیب کے ساتھ (نرگسِ باغِ قدرت، معنیٔ قَدْرَائی، مقصدِ ما طغیٰ) پر تضمین کرنے کی کاوش کی ہے۔ اور یہ صرف اسی شعر کے ساتھ ہی نہیں جہاں تک "سراپا" چلے گا موصوف کا طرزِ بیان یہی گُل کھلاتا رہے گا۔ اور اس کی مثال بند نمبر ۴۶ کی تضمین کے مصرعے بھی ہیں۔ آزاد فضا میں اڑتے

ہوئے یہ خوبصورت پنچھی بھلے معلوم ہوتے ہیں مگر جب ہم انھیں "نگاہِ عنایت" سے پا بہ سلاسل دیکھنے کی آرزو کرتے ہیں توان کا سارا حسن بکھر جاتا ہے ان کی پرواز تھم جاتی ہے۔ اسی طرح بند نمبر ۴۸ میں اعلیٰ حضرت "عذاروں" کی بات کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ "عذاروں" کی مناسبت سے ان کے اعجاز کی بات کی جاتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ انھوں نے اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اولیٰ کے پہلے لفظ (جن) کو ذہن میں رکھا اور سمجھ لیا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے جناب ناظم نے "ذات اقدس" سے آغازِ کلام کیا (عاصیوں کے لئے نویدِ شفاعت، زیر دستوں کے لئے حقِ کرامت) سب کچھ کہہ ڈالا مگر بات نہ کی تو (عذاروں) کی جن کے لئے لفظ (جن) لایا گیا۔

بند نمبر ۴۹

تضمین کا پورا بند اس طرح سے ہے

ان کے جد کی شرافت پہ بے حد درود　　ان کے اب کی وجاہت پہ بے حد درود

"ان کے خد کی سہولت پہ بے حد درود　　ان کی حد کی ثقاہت پہ بے حد درود

ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام "۳۳

جناب ناظم کی تضمین کے پہلے دو مصرعے باہم مربوط ہیں لیکن یہ تیسرا مصرع اپنا مفہوم متعین کرنے میں بھی ناکام و پریشان دکھائی دیتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ "ان کے خد کی سہولت پہ بے حد درود" کی حدود میں قدم رکھ سکے۔ اعلیٰ حضرت نے یہاں بھی ان احادیث پر نگاہ رکھی جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا سراپائے اقدس بیان فرماتی ہیں۔ پہلے "عذاروں کی طلعت" کہہ کر نعت کہی اور اب ان کی ایک اور صفت بیان کی "خد کی سہولت" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے "رخسارِ مبارک" کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

سَهلَ الخَدَّین ۳۴

مولانا کفایت علی کافی شہید مراد آبادی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

ملائم آپ کے رخسار دونوں

بھلا تشبیہ دوں میں کس سے ان کو ۳۵

بند نمبر ۵۱

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام ۳۶

محترم ناظم نے متصورہ فنی نقص کے پیشِ نظر تحریف کر کے شعر کی درج ذیل صورت بنائی ہے۔

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
ملح آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام ۳۷

جناب ناظم کے ترمیم کردہ شعر میں حسن کے لئے گنجائش تو پیدا ہوئی مگر ساتھ ہی ایک عیب بھی رقیبِ رُوسیہ کی صورت میں در آیا۔ حسن و قبح باہم پیوست ہوں تو ایسے میں تبدیلی کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ حسن یہ کہ (ملح) کے اعراب متدارک مثمن سالم کے عام وزن پر آجاتے ہیں اور صباحت اور ملاحت میں تضاد واقع ہوتا ہے اور قبح یہ کہ ملح آگیں میں تنافر کا عیب پیدا ہو گیا ہے جو اعلیٰ حضرت کے مصرع میں موجود نہ تھا۔ جناب ناظم کی تضمین کے دوسرے مصرع میں بھی یہ عیب موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا (نمک) کی جگہ (ملح) کا جواز فنی نقص تھا یا نہیں؟ اور بعض مطبوعہ سلاموں میں نمک، میم ساکن سے نمْک لکھا ہے۔ کیا اس کی ضرورت تھی؟ اس کا تفصیلی جواب ہم اس سے پیشتر دے آئے ہیں، یہاں مختصراً عرض کیے دیتے ہیں۔ دوسرے مصرع کا پہلا رکن زحاف "خبن" کی بدولت فاعلن کے بجائے فَعِلُنْ کے وزن پر آیا ہے اور اس طرح تقطیع پر پورا اترتا ہے۔ نمک اگر (نمک۔ میم ساکن کے ساتھ) ہو تو کسی تبدیلی کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن یہ لفظ میمِ مفتوح کے ساتھ آتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ مصرع کی تقطیع ملاحظہ ہو، اصل وزن یہ ہے۔

فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن = مگر عروض و ضرب مذال بھی آتے ہیں اور مصرع ثانی پہلا رکن مخبون ہے اس طرح وزن مطلوبہ یہ ہوگا۔ فَعِلُنْ فاعلن فاعلن فاعلان

تقطیع = نَمَکَا۔ فَعِلُنْ۔ گِی صَبَاْ۔ فَاعِلُنْ۔ حَتْ پَلاْ۔ فَاعِلُنْ۔ کھوْسَلَاْمْ۔ فَاعِلَانْ

اگر یہ اعتراض ہو کہ (آگیں) میں الف ممدودہ ہے جو دو الف کے مساوی ہوتا ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ الف ممدودہ کی دو صورتیں ہیں، "میزانِ سخن" میں جناب حمید عظیم آبادی نے (ص ۶۷

پ) الف ممدودہ (جہاں دو الف پڑھا جاتا ہے) کی مثال میں یہ شعر لکھا ہے ؂

خیالِ وصل کو اب آرزو جھولا جھلاتی ہے
قریب آنا دلِ مایوس کا پھر دور ہو جانا

(شاد)

دوسرے مصرع میں الف ممدودہ ایک الف پڑھا جارہا ہے اور اس پر ذیل کا قانون لاگو ہوتا ہے۔
"الف جب دو ساکنوں کے درمیان واقع ہوتا ہے تو اس کی حرکت اس کے پہلے والے حرفِ ساکن کو دے دی جاتی ہے اور وہ الف تقطیع میں نہیں لیا جاتا اور یہی اطلاق الف ممدودہ پر ہوتا ہے اس میں بھی سبب خفیف ہے پہلا الف متحرک دوسرا ساکن اور اس کی مثال بھی دیکھیے

نقاب اک دن الٹ دینا تھا اس روئے دل آرا کو
ہم اپنا سا بنا لیتے کبھی تو اہلِ دنیا کو

(شاد)

تقطیع = نقابک دن۔ مفاعیلن ۔ الٹ دینا۔ مفاعیلن۔ تَ اِس روئے۔ مفاعیلن۔ دِلاْراکو۔ مفاعیلن

ہمپناسا۔ مفاعیلن۔ بنا لیتے۔ مفاعیلن۔ کبھی تُواَہْ۔ مفاعیلن۔ لِ دنیا کو۔ مفاعیلن

دی گئی تقطیع میں (دل آرا کو) کی تقطیع دیکھیے۔ (دلارا کو) مفاعیلن کے وزن پر آیا ہے۔ اسی اصول پر (نَمَکْ کا "ک" ساکن) متحرک ہو کر "الف" کے ساتھ شامل ہوا اور (نَمَکَاْ) بن گیا اور یوں یہ درست اعراب اور وزن کے ساتھ استعمال ہوا ہے اسی وزن پر اور اسی اصول پر خود ناظم صاحب کا ایک مصرع دیکھیے ع

ہے شاخِ نہالِ چمن آرائے مدینہ

یہ نعت، بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مقصور / محذوف میں ہے اس مصرع میں "چمن آرائے مدینہ" میں (چمن آرا) بعینہٖ (نمک آگیں) کی طرح آیا ہے تقطیع میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہَےْ شَاخِ۔ مَفْعُوْلُ، نِہَالے چَ۔ مَفَاعِیْلُ، مَنَارَاْءِ۔ مفاعِیْلُ، مَدِیْنَہْ۔ فعولن

اس لئے اعلیٰ حضرت کے مصرع میں کسی بھی طرح کی تبدیلی تصرّفِ بے جا ٹھہرتی ہے۔

اس مقالہ کی باز گشت لاہور سے ہوتی ہوئی ایوان ناظم تک بھی پہنچی۔ محترم اقبال فاروقی صاحب کی وساطت سے پتہ چلا کہ محترم تضمین نگار کے مطابق "نمک" چونکہ اردو لفظ ہے اور (آگیں) فارسی، اس لئے (آگیں) کے ساتھ اس کی ترکیب نہیں بن سکتی، حسرت موہانی نے اسے عیوب میں شمار کیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت ایسا لفظ استعمال نہیں کر سکتے۔ اس وقت تو ہم نے سرسری سا جواب دے دیا تاہم اس کی وضاحت بالدلائل کرنے کی ضرورت محسوس کر کے اس اجمال کی تفصیل دے رہے ہیں۔ ویسے ہم سمجھتے ہیں کہ محترم ناظم صاحبِ علم و ادب ہیں۔ بہت سے ایم اے، درسِ نظامی اور دیگر علوم قدیمہ و جدیدہ پر کامل دستگاہ رکھتے ہیں وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ بہر کیف ہم "نمک آگیں" ترکیب میں (نمک) کی وضاحت کر رہے ہیں۔ کہ یہ فارسی لفظ ہے اور اساتذۂ ایران کے ہاں مستعمل ہے۔ دیکھیے۔

فرہنگ آموزگار:

نمک = بفتح = مادہ شوریکہ در غذاہا ریزند

نمک پروردہ = حق شناس

نمک برزخم پاشیدن۔ آزار کردن

نمک خوردن و نمکدان شکستن = حق نشناسی کردن

نمک داشتن = دلربا بودن۔ ملیح بودن

نمکیں = خوش نما، زیبا

نمک زار = جائی نمک

نمک گیر شدن = نمک کسی را خوردن و مدیون شدن و پاس نمک داشتن

(حبیب اللہ آموزگار)

صاحب جامع اللغات نے نمک کے یہ مرکبات دیے ہیں

نمک آلود۔ نمک افشاں۔ نمک بند۔ نمک پاش نمک پرور۔ نمک پروردہ۔ نمک چش۔ نمک حلال۔ نمک خوار۔ نمک سودہ

اب خاص فارسی اساتذہ کے کلام سے "نمک" کی اسناد ملاحظہ ہوں

راہ نداد آں قدرم بر سر خوانِ تو فلک کز نمکدان تو برلب زنم انگشت نمک
(نظیری نیشاپوری)

اے دل ریش مرا بالب تو حق نمک
حق نگہدار کہ من میروم اللہ معک
(حافظ شیرازی)

اے پیک پے خجستہ چہ نامی فدیت لک
ہر گز سیاہ چہرہ ندیدم بایں نمک
(حافظ شیرازی)

حضرت خواجہ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک پوری غزل ایسی ہے جس کی ردیف "از نمک" ہے، اس غزل کا مطلع اور مقطع حاضر خدمت ہے۔

اے کہ شور افگندہ در بزم شاہاں از نمک
داد مستاں لبت از خندہ بستاں از نمک

آب حیواں یافت حافظ از نمکدان لبت
گرچہ ہر گز کس نیابد آب حیواں از نمک ۳۸

آں مغبچہ کز وی ہمہ ریشم و نمک تا شعلہ کشید نور حسنش بفلک
بے بہرہ بماندیم کہ از دیر مغاں زنار مسیح برد و ناقوس ملک

نے دور زماں بکام و نے سیر فلک نے کیش مغاں بذوق نے دین ملک ۳۹
خامش کہ چشیدم و نکو سنجیدم نیک و بد ایں جہان بے آب و نمک

ان اسناد کے ہوتے ہوئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نمک اردو کا لفظ ہے اور اعلیٰ حضرت نے "نمک آگیں" کی ترکیب وضع نہیں کی ہوگی یا اس ترکیب کی ساخت میں قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

مفتی محمد خاں قادری نے بغیر سوچے سمجھے ناظم کی پیروی کی ہے انہوں نے بھی "ملح آگیں" لک

بند نمبر ۵۲

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

شبنمِ باغِ حق یعنی رخ کا عرق
اوس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام [۴۰]

علامہ بشیر حسین ناظم نے اس شعر پر بھی "چشم کرم" فرماتے ہوئے حسبِ معمول تحریف کی ہے حالانکہ یہاں اس "تصرفِ جابرانہ" کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ انھوں نے اس سمت تو توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی، کہ اعلیٰ حضرت اس شعر میں (سلام) کی نسبت کس سے کر رہے ہیں، اور بے دھڑک تیشۂ ترمیم (اوس) پر دے مارا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان کی "فکرِ شعر" زخم زخم ہو کر رہ گئی۔ جنابِ رضا نے (رخ کے عرق) کو (شبنمِ باغ حق) سے تشبیہ دی اور کمال کا قرینہ رکھا۔ چہرۂ اقدس و انور کو (باغِ حق) قرار دیا آپ کی کشادہ روئی کی بدولت جو "ہمیشہ بہار" رہی، پھر اس پر عرقِ منور کے گوہرِ آبدار میں شبنم سے مماثلت کا قرینہ تلاش کیا اس طرح ان کی وضع کردہ تشبیہ (شبنمِ باغِ حق) اتنی جمال آفریں ہے کہ انوارِ الٰہی کی تجلّی نگاہوں میں پھرنے لگتی ہے اور اعلیٰ حضرت اسی کی "سچی براقت" پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہاں اگر ضمیر جمع کی لائی جائے تو دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں یا آپ (شبنمِ باغِ حق) اور (رخ کا عرق) کو جدا جدا سمجھ رہے ہیں، یا (ان) کی نسبت آپ احتراماً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر رہے ہیں اور دونوں صورتوں میں آپ مفہومِ شاعر سے دور جا پڑے۔

عِلق اور عَلَق میں صنعت تجنیس موجود ہے اور اس صنّاعی سے تضمین کا رنگ چوکھا کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اگلے مصرع میں (ارض مجزلق) کی ثقیل ترکیب، فصاحت و بلاغت کو مجروح کر رہی ہے۔

بند نمبر ۵۳

تضمین کا پورا بند اس طرح سے ہے۔

ان کی توصیف ہے آبروئے سخن نطق شیریں سے مسحور ہیں جان و تن
بوئے گیسو سے معمور دل کے چمن "خط کی گرد دہن وہ دلآرا پھبن
سبزہ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام [۴۱] "

جناب ناظم نے یہاں بھی آزادانہ ثلاثی مرتب کی ہے۔اور ثلاثی کے مصرعے بھی منتشر المزاج۔
مولانا کوثر نیازی نے مولانا احمد رضا خاں کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا "شاعری ایک اور میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صنف تو ایک ایسی مشکل صنف سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پل صراط پر رکھنا پڑتا ہے یہاں ایک طرف محبت ہے تو ایک طرف شریعت۔۔۔ امام احمد رضا کو بھی اس مشکل کا کامل احساس ہے وہ ملفوظات میں فرماتے ہیں "نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے" اس لئے ایک جگہ فرمایا "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی" اس معیار کو سامنے رکھ کر ہم نعتیہ شاعری کے ذخائر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس پر صرف ایک ہی شاعر اترتا ہے اور وہ خود احمد رضا خاں بریلوی ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں۔ میں ادب کا طالب علم ہوں، برا بھلا شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔ اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں کا پورا نعتیہ کلام اور شاہ احمد رضا کا سلام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" ایک طرف۔۔۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا۔ میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا "قصیدہ بردہ" ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ جو زبان و بیان، جو سوز و گداز، جو معارف و حقایق، قرآن و حدیث اور سیرت کے جو اسرار و رموز، انداز و اسلوب میں جو قدرت و ندرت اس سلام کی ہے وہ کسی شاعر کے کسی شہ پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

ایک شعر پڑھتا ہوں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی مرتبت کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہوگی۔ ذرا تصور کیجئے ایک نہر ہے اس کے ارد گرد سبزہ ہے اس سبزے سے نہر کی حسن دوبالا ہو گیا ہے۔اب نہر کس کو کہا، سرکار کے دہن مبارک کو، نہر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں آپ کے دہن کو نہر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

نرفت "لا" بزبان مبارکش ہر گز
مگر باشهد ان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک سے دو اشھد ان لا الہ الا اللہ،، میں جو "لا" ہے اس کے علاوہ (لا)، یعنی (نہیں) کا لفظ کبھی نہیں فرمایا گیا۔ شاہ رضا کہتے ہیں ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دہن اقدس، یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی، سر مبارک سے خون بہا، نعلین تک آگیا مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے، عرض کیا

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما یہ لوگ نہیں جانتے۔ علم نہیں رکھتے، میرے مقام اور پیغام سے بے خبر ہیں۔۔۔ تو اس دہن اقدس کو نہر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے؟ اس نہر رحمت کے گرد لہلہانے والا سبزہ جس نے نہر رحمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اب ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

خط کی گردِ دہن وہ دل آرا پھبن
۴۲
سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بند نمبر ۵۴

ریشِ مبارک کے حوالے سے، اعلیٰ حضرت ایک اور خوبصورت شعر عطا کرتے ہیں۔

ریشِ خوش معتدل ، مرہمِ ریشِ دل
۴۳
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

اس شعر میں بھی صنعتوں کا التزام بڑے قرینے اور سلیقے سے ہوا ہے (ریش اور ریش) میں اور (دل اور معتدل) میں صنعت تجنیس کارفرما ہے۔ اور پھر حروف "ر"، "ش" اور "د" کی تکرار نے ترنم ریز کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اور معنوی سطح پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ زیبا کو "ماہ" قرار دیا ہے اور "ریش" مبارک کو ہالہ۔۔۔ ہالہ چاند کے گرد ظاہر ہونے والا دائرہ ہے اور اسے بارش

کی علامت سمجھا جاتا ہے اور بارش، فیضِ رحمت کا اثر، دلوں کی آرزوؤں کی بنجر کھیتیوں کی شادابی و تازگی کا باعث۔ زمین کی سطح بھی جب زیادہ خشک ہوتی ہے تو زخموں کی طرح پھٹ جاتی ہے اور ابرِ رحمت کی منتظر رہتی ہے۔

بند نمبر ۵۹

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے

وہ زباں جس کو سب "کن" کی کنجی کہیں
۴۴
اوس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

مولانا احمد رضا کے شعر میں (جس) ضمیر موصولہ، مفعولی حالت، میں بصیغہ واحد آئی ہے اور مصرع ثانی میں (اس کی) ضمیرِ شخصی، اضافی حالت میں بصیغہ واحد غائب ہے، جناب ناظم کے پہلے دونوں مصرعوں میں فعل جمع صورت میں آیا ہے اور اس سے ظاہر اواضح نہیں ہوتا کہ فاعل واحد ہے یا جمع اور تیسرے مصرع میں کچھ کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید احتراماً فعل کو بصیغہ جمع استعمال کیا ہے۔ جناب ناظم کے مصرعوں میں اسم فاعل، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس واطہر ہے اور اعلیٰ حضرت کے مصرع اولیٰ میں فاعل (سب۔ یعنی کائنات میں بسنے والے سبھی) ہے۔ اس طرح ناظم اور اعلیٰ حضرت کے مصرعوں میں افعال، اسماء اور ضمائر کسی میں بھی مطابقت پیدا نہیں۔ فاضل بریلوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک کی بابت نعت بیان فرماتے ہیں تو ناظم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں تین مصرعے جوڑ لاتے ہیں۔ حالانکہ دہن اور زبان سے اس قدر معجزات ہویدا ہوئے کہ اگر وہ سعیِ بلیغ فرماتے تو ایسا ممکن تھا اور ان کے کلام میں بھی ایک نئی شان پیدا ہو سکتی تھی۔

جناب شمس بریلوی نے شعر نمبر ۶۰ ؎

اوس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
۴۵
اوس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

کے بعد شعر نمبر ۶۱ کو کتمِ عدم میں چھپا دیا ہے اور شعر یوں ہے ؎

اوس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں سلام
۴۶
اوس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

اور اس شعر کے بعد شعر نمبر ۶۲ دیا ہے جو اس طرح ہے ؎

وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول

۴۷ اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

جناب ناظم کے پیش نظر بھی یہی نسخہ ہے (امکانِ غالب ہے) اس لئے انھوں نے یہاں ترتیب میں خطا کی ہے وہ شعر ۶۲ (وہ دعا ـ ـ ـ) پہلے لکھ گئے۔ پھر دیکھا کہ شمس بریلوی نے تو ایک پورا شعر چھوڑ دیا ہے اس خیال پر انھوں نے اس "محذوف شعر" کو شعر نمبر ۶۲ بنا دیا۔ یا ممکن ہے انھوں نے یہاں بھی حسب فہم اجتہاد سے کام لیا ہو جو اکثر خطا پذیر واقع ہوا ہے اور کم صواب آشنا۔ یہ شمار نمبر اشعار کا صحیح نمبر شمار ہے جو حدایق بخشش (حسنی پریس) کے مطابق ہے ورنہ "خوان رحمت" میں بند نمبر ۵۹ کے بعد ۶۰ کے بجائے ۶۱ آگیا ہے اور اس طرح اصل شعر سے ایک ایک نمبر آگے ہوتا جاتا ہے اور یوں ناظم کی تضمین مطبوعہ (مرکزی مجلس رضا) میں جو بند نمبر ۶۱ ہے وہ حقیقت میں ۶۰ ہے اور جو ۶۲ ہے وہ ۶۱ ہے۔ اس کے بعد آپ تصحیح کرنا چاہیں تو شمار نمبر درست فرماسکتے ہیں لیکن ہم نے حوالہ نمبر "خوان رحمت" ہی کا جاری رکھا ہے۔

بند نمبر ۶۵

اعلیٰ حضرت کا شعر اصل صورت میں اس طرح سے ہے۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں

۴۸ اوس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جناب ناظم نے (جس) کی جگہ (جن) استعمال کیا ہے۔ حضرتِ ناظم کی ترمیم اتنی نارو ااور بودی نظر آتی ہے کہ شاعرِ محترم پر سے علم کا اعتبار اٹھنے لگتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں (اوس تبسم کی عادت) صاف کہہ رہا ہے کہ مصرع اولیٰ میں بھی اس کا قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ واحد کا واحد کے ساتھ علاقہ بنتا ہے۔ ناظم کے ہاں تیسرا مصرع بالکل بے معنی ہے وہ (ہنس پڑیں) کی ردیف کو بالکل نہ نبھاہ پائے۔

بند نمبر ۶۶

تضمین کا پورا خمسہ اس طرح سے دیا ہے

جس کی آواز ہے از کراں تا کراں ختم جس پر ہوا حسن و زور بیاں

جو ہے قند و نبات و عسل کا مکاں "جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام"[۴۹]

اصل نزاعی مقام "شیر و شکر" ہے حدایق بخشش "مطبوعہ حسنی پریس بریلی" اور "رفاہ عام پریس آگرہ" میں شیر و سحر ہے) بظاہر بڑا دقیق، پیچیدہ اور پریشان کن مسئلہ ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو ایسی کوئی بات نہیں، کیا اعلیٰ حضرت کے علم میں نہیں تھا کہ شیر و شکر ہونا روز مرہ ہے یا مرتب کو اس بات سے آشنائی نہ تھی۔ اور ایک اور بات ہم یہاں قیاساً ہی سہی لیکن دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نسخہ اولیں حسن رضا بریلوی کا مرتب کردہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں جب شمس بریلوی نے تحریفات کا "پنڈورہ بکس" کھولا تو کچھ ہاتھ نہ آیا، جو بھی ترمیم کی اس نے کئی فکری مغالطوں کو جنم دیا اور بعد میں بکثرت نسخۂ شمس کی تقلید ہونے لگی۔ انہوں نے ہی اول اول (شیر و سحر) کی جگہ (شیر و شکر) کی ترکیب استعمال کی۔ علامہ شمس بریلوی علم و ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جناب احمد رضا، ایک طرف زبردست عالم ہیں تو دوسری طرف حسن و عشق کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ مطالعۂ باطن کے ساتھ ساتھ معروضیت پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں صنعت گری، رعایتِ لفظی، نشاطیہ رجحان اور علمی وقار پایا جاتا ہے لیکن انھوں نے لکھنویت کی ایسی خصوصیات، معاملہ بندی، جس میں رکاکت و ابتذال ہو اور نسائیت، جس کا ایک مظہر ریختی ہے، سے دامن بچائے رکھا اور اس کے بجائے دہلویت کے عناصر سے سوز گداز، فصاحت و بلاغت، سلاستِ الفاظ، داخلی واردات کی عکاسی کو منتخب کر کے اس میں شامل کیا۔ جسے سمجھنے کے لئے محض لغت ہی نہیں، جذبِ دروں بھی درکار ہے۔

جہاں تک امام احمد رضا کا تعلق ہے ان کا علمی وقار و اعتبار مسلّم ہے۔ بات ان کی شاعرانہ حیثیت اور مقام کی ہے، جو ان کے دور میں ان کے دیگر مشاغلِ علمی و فقہی کے باعث بہت زیادہ مرکزِ نگاہ نہ بن سکی اور ان کی شخصیت کے دوسرے انوار غالب رہے اور اب جب کہ نعت نے بطورِ صنفِ سخن کے خود کو تسلیم کرانا اور اس میں تحقیق و تنقید نے اپنا رنگ جمانا شروع کیا اور ان کے کلام نے قلوب و اذہان کو جذب کرنا شروع کیا تو کچھ حضرات نے اور ہی گُل کھلانے شروع کر دیے۔ یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مجموعۂ نعت "حدایقِ بخشش" اردو نعت کے سلسلہ میں ایک عظیم کلاسیک کا

درجہ رکھتا ہے اس میں وہ تمام جواہر موجود ہیں جس سے ترکیب پاکر کوئی کتاب (یا شاعر، اس حوالہ سے) کلاسیک کا مقام حاصل کر پاتا ہے۔

سان بو لکھتا ہے "میرے نزدیک تو صحیح کلاسیک ایک ایسا اہلِ قلم ہے جو ذہنِ انسانی کو مالا مال کرے اور اسے ایک قدم آگے بڑھنے دے۔ وہ ایسا فنکار ہے جو ایک غیر یقینی صداقت نہیں بلکہ اخلاقی سچائی دریافت کرے اور ایسے دلوں میں ابدی جوش آشکار کر دے۔ جہاں اس سے پہلے ہر چیز جانی پہچانی دکھائی دیتی تھی۔ وہ ایک ایسا مصنف ہے جو اپنے خیالات، مشاہدات یا اپنی ایجادیں اس طرح ہمارے روبرو رکھے کہ انھیں اسلوب سے قطع نظر بذات خود وسیع و عظیم، لطیف و معقول، پرجوش و حسین کہا جا سکے"[۵۰]

ایم ڈی ریموساں نے لکھا

"وہ مذاق کی نفاست، اصطلاحات میں صحت، اظہار کی گوناگونی اور فعل و الفاظ کا باہمی تطابق تو ہمارے ادبِ عالیہ سے لیتا ہے لیکن ان سب کو اپنے منفرد رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کلاسیکی صفات کا انحصار اظہار کی ہم آہنگی و لطافت اور اسلوب کے فن و اعتدال پر مبنی ہے دنیا جہان کا اسی رائے پر صاد ہے۔ اس لحاظ سے وقیع تر ادبِ عالیہ ان مصنفوں کی تحریریں ہوں گی جو درمیانہ درجے کے لوگ یعنی ںجچے تلے، معقول، شستہ اور ہمیشہ واضح اہل قلم ہونے کے ساتھ عالی جذبات اور لطیف طور پر پوشیدہ قوت کے مالک ہوں"[۵۱]

"یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کلاسیک میں اپنے زمانے کی ثقافت اور تمدن کے تمام دھاروں، اسلوبوں، وصفوں اور نہجوں کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے یعنی کلاسیک میں کم و بیش تمدن کے تمام عزائم و آمال جلوہ گر نظر آتے ہیں"[۵۲] --- "ہئیت اور پیکر کے سلسلے میں کلاسیکی اسلوب کے متعلق ایک اور بات کہنی بھی ضروری معلوم ہوتی ہے جذبے کی آنچ تو کلاسیک میں بہر حال دھیمی ہوتی ہے لیکن جذبے کی عامیانہ اور مبتذل شکل بھی کبھی کلاسیک میں نظر نہیں آتی" ---- "واضح رہے کہ کلاسیکی اسلوب کا ابتذال سے پاک ہونا دراصل اس کی معنوی بلندی کے ساتھ مطابقت ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کلاسیک میں مفاہیم تو عالی منزلت ہوں اور اسلوب عامیانہ رکیک، نحیف اور بازاری ہو"[۵۳]

"ایلیٹ کا یہ کہنا اپنی جگہ بجا ہے کہ "جب کسی خاص صنف میں کلاسیک لکھا جا چکتا ہے تو پھر اسی پایہ کی کتاب اسی صنف میں اس وقت تک نہیں لکھی جا سکتی جب تک زبان اور اس کا غنائی مزاج بالکل منقلب نہ ہو جائے"[54] --- "اب تک جن کتابوں کو کم و بیش متفقہ طور پر کلاسیک تسلیم کیا گیا ہے انھیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ ہومر اور ورجل کی منظومات، فردوسی کا شاہنامہ، رومی کی مثنوی، ڈانٹے کی نظم، (طربیۂ قدسی) حافظ کی غزل، ولی کی غزل، غالب کی غزل کلاسیک ہیں ان کلاسیکوں میں سب سے کم رتبہ غالب ہے"[55]

میری جوزف شیز نے ان باعتدال باکمالوں کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے "صحیح تمیز ہی سب کام کرتی ہے حسنِ سیرت، جدّتِ طبع، روح، جوہر اور مذاق اسی کے کرشمے ہیں۔ حسنِ سیرت کیا ہے؟ عام استعمال میں لائی ہوئی معقولیت، اور ذہانت تو خیر ارفع ترین معقولیت ہے ہی"[56]

کلاسیک کی ان خصوصیات کو مدنظر رکھیں اور اعلیٰ حضرت کے کلام (حدایق بخشش اول، دوم، سوم) کو اس پر پیش کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اردو نعت کے حوالہ سے وہ عظیم کلاسیک ہے۔ افکار میں معنوی بلندی، مضامین میں تنوع، فن پر مکمل گرفت، اسلوب میں تمکنت اور وقار، تاریخی، تہذیبی اور عصری شعور، سبھی دھارے اس دریائے بے کنار کا حصہ بنتے نظر آتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ بصارت و بصیرت پر سے تعصب و عناد کے پیدا کردہ حجابات اٹھا دیے جائیں اور بے لاگ اور دقّت نگاہ سے کام لے کر مطالعہ کیا جائے۔

ہم، بند نمبر ۶۶ میں واقع اعلیٰ حضرت کی وضع کردہ ترکیب "شیر و سحر" کی طرف پلٹتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے

جس میں نہریں ہیں شیر و سَحَر کی رواں
اوس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

لغت میں (سحر۔ س ح ر) کے معنی پر نگاہ کرتے ہیں تو عجیب منظر سامنے آتا ہے

سحر = سَحَرَ (ف) سِحْراً = جادو کرنا۔ فریفتہ کرنا

سَحَّرَ = جادو کرنا۔ فریفتہ کرنا۔ سحری کھلانا

سَحَرَ = صبح سے کچھ پہلے کا وقت۔ کنارہ (فیروز اللغات)

سَحَر = صبح ۔ فجر، تڑکا

سِحر = جادو ۔ ٹونا ۔ طلسم ۔ افسوں ۔ (علمی اردو لغت)

لیکن جب یہ بیان و کلام کے ساتھ آتا ہے یا اس پس منظر میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی میں تبدیلی آجاتی ہے مثلاً سحر بیان = فصیح و بلیغ، خوش تقریر ۔ سحرِ حلال = کلامِ فصیح و موزوں ۔ دلکش اور عمدہ کلام اعلیٰ حضرت کے ہاں یہ لفظ اپنی دونوں معنوی سطحیں برقرار رکھتا ہے ۔ اگر اس کو (سِحر) کے معنی میں لیا جائے تو اسکے معنی فصاحت و بلاغت کا نہایت اعلیٰ معیار ہوگا، خوش بیانی ایسی کہ ہر اک کو مسحور کر دے اور "شیر" کے ساتھ آکر اپنی پاکیزگی و لطافت کا اظہار کر رہا ہے ۔ سحر کے لفظ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ۔

سید قطب لکھتے ہیں ۔ "حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے اور ولید بن مغیرہ کی اسلام سے روگردانی اختیار کرنے کے واقعات ایمان و انحراف کے کثیر واقعات میں سے دو عجیب نمونے ہیں ۔ یہ دونوں واقعات اس امر کی کھلی ہوئی دلیل بھی ہیں کہ قرآن نے آغاز کار ہی میں اپنے جادو سے عربوں کو مسحور کر لیا تھا ۔ ان دونوں واقعات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ قرآن کی سحر طرازی کا اعتراف اہل ایمان اور کفار سبھی کو تھا ۔"[۵۷] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ولید بن مغیرہ دونوں زبردست نقادِ شعر و سخن ہیں ۔ دونوں زبردست شخصیات کے مالک ہیں ۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ خوفِ خدا نے ایک کے دل کو نرم کر دیا ہے اور فخر و غرور سے دوسرے کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہو چکا ہے ۔ مگر دونوں کے واقعات سے قرآن کی سحر کاری واضح ہے ۔

اگر یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ اس (سِحر) کا تلفظ، (ح) ساکن کے ساتھ ہے اور یہاں (سَحَر) پڑھا جارہا ہے تو اس کی دو توجیہات ہیں

۱ ۔ اردو میں بہت سے ایسے عربی الفاظ مستعمل ہیں جن کا ماضی مفتوح العین ہے

۲ ۔ یہ درست ہے کہ اردو میں عموماً اس کا تلفظ اس طرح نہیں آتا لیکن ولی دکنی کے ہاں اس کی مثال بھی ملتی ہے جس میں سِحر کو سَحَر کے تلفظ پر باندھا گیا ہے ؎

کریں گے بحث اس انکھیاں کے جادو کی سَحَر سازاں
نہ پہنچے کوئی باریکی میں کاجل کے معانی کوں[۵۸]

۳۔ مومن خاں مومن نے بھی ایک جگہ (شمر) کو (شمر) نظم کیا ہے۔

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے
محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا ۵۹

اور "شیر" کے ساتھ اگر "سحر" تلفظ جس طرح آرہا ہے، قائم رکھا جائے اور سحر کے معنی میں نہ لیا جائے بلکہ صبح کے معنی میں سمجھا جائے تو پھر بھی اس میں قرینہ موجود ہے۔ جس طرح شیر (دودھ) سفید، مطہر، نور، لطافت اور پاکیزگی کی علامت ہے، اسی طرح سحر (صبح) تیرگی کو زائل کرتی ہوئی، روشنی، تازگی، اور نئی زندگی کی۔ اور یوں "شیر و سحر" میں ہر لحاظ سے ایک مناسبت قائم ہے۔ اور (شیر و شکر) سے گھسے پٹے الفاظ کی ضرورت نہیں اور "شیر و سحر" اور "گلے کی نضارت" کے مابین علاقہ موجود۔ اس لئے یہاں "شیر و سحر" ہی مناسب ہے۔

بند نمبر ۶۸

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

حَجَرِ اَسْوَدِ کَعْبۂ جَان و دل
یعنی مُہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام ۶۰

جناب ناظم نے پہلے مصرعے میں ترمیم کر کے اس طرح لکھا ہے ؎

حجر اسود و کعبہ جان و دل ۶۱

دوسرے مصرع میں (مہر نبوت) لکھا ہے۔

علامہ شمس بریلوی نے اس شعر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جنابِ ناظم کو شاید مصرع اولیٰ کا علم نہیں ہو سکا اس کا رکنِ اول، اسی وزن پر ہے جس میں قبل ازیں فنی نقائص کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور ان مصرعوں کو تبدیل کیا گیا اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ علامہ ناظم اور ان کے مشیر و استاذ ابھی اس سلسلہ میں تذبذب کا شکار ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے جتنی صراحت کے ساتھ مُہرِ نبوت کو حجرِ اسود سے تشبیہ دی ہے اسے عام قاری بھی سمجھ سکتا ہے اور، پھر انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کعبۂ جان و دل کہہ کر مُہرِ نبوت کو حجرِ اسود قرار دیا ہے۔ اس واضح وجہ شبہ کو مبہم بنانے کے لئے ناظم نے (مِہرِ نبوت) لکھا۔ حجر

اسود اور مُہرِ نبوت میں کئی قرینے موجود ہیں۔ مُہرِ نبوت کیا تھی؟ پہلے اس کا علم ہونا چاہیے۔

"ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا جو بدن شریف کے باقی اجزا سے ابھرا ہوا تھا۔ اسے (مُہرِ نبوت) یا (خاتمِ نبوت) کہتے تھے۔ کتبِ سابقہ میں آپ کی علاماتِ نبوت میں ایک یہ بھی مذکور تھی۔ حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہری شکل و صورت کے بیان کرنے میں اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضۂ کبوتر) تکمہ، چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ سچ پوچھو تو یہ ایک سرِّ عظیم اور نشانِ عجیب تھا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے مختص تھا کہ جس کی حقیقت کو رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا

نبوت را توئی آں نامہ در پشت

که از تعظیم دارد مہر بر پشت [۶۲]

معین واعظ کاشفی ہروی نے مزید وضاحت کی ہے۔ "آپ کی پشتِ مبارک نبوت کی مُہر سے مزین تھی۔ نبوت کی مُہر کبوتر کے انڈے کی مقدار میں ظاہر تھی جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی۔ یہ مُہر دائیں کندھے کے بالکل قریب تھی اور اس پر "العظمة لله" لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا درمیان میں گوشت کا ایک ٹکڑا ابھرا ہوا تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا "توجہ حیث شئت فانک منصور" [۶۳]

جناب ناظم نے عجیب صورت پیدا کی ہے۔ (حجر اسود) اور (کعبۂ جان ودل) کے درمیان، واؤ عاطفہ (و) لا کر مُہرِ نبوت کی دو صفات بیان کی ہیں لیکن وہ تو دوسرے مصرع میں (مُہرِ نبوت) کے بجائے (مِہرِ نبوت) کہہ رہے ہیں اور اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہو سکتی ہے۔

حجر اسود، اپنی جداگانہ حیثیت میں وہ اہمیت اور قدر و منزلت نہیں رکھتا جب تک خانہ کعبہ سے منسوب اور وہاں منصوب نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ اس کا ایک اپنا تقدس بھی نسبت ہی سے قائم ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ درج ہے۔

"حدثنا سعید بن ابی مریم قال اخبرنا محمد بن جعفر قال اخبرنی زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر ابن الخطاب قال للرکن اما واللہ انی لا علم انک حجر لا تضر ولا تنفع

ولولآانی رایت رسول اللہ استلمک ما استلمتک فاستلمہ ثم قال و مالنا و للرمل انما کنا رایناہ المشرکین و قد اھلکھم اللہ ثم قال شئی صنعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم فلانحب ان نترکہ[۶۴]

ترجمہ :- زید بن اسلم کے والد ماجد سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجر اسود سے کہا خدا کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی نہ دیتا۔ پھر فرمایا ہمارا رمل سے کیا واسطہ۔ ہم نے یہ مشرکوں کو دکھانے کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے کیا لہٰذا ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔[۶۵]

محض حجر اسود ہی حج کا باعث ہوتا، برکت کا سبب ہوتا تو لوگ حجر اسود کو حج کی اصل بنیاد گردان لیتے اور جہاں حجر اسود ہوتا وہیں حج کرنے جاتے لیکن ایسا نہیں۔ تاریخ کے ایک نہایت نازک دور میں جب قرامطہ اور عبیدیین کے ظلم و ستم کا غبار ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ اور کوئی اس سرکش گھوڑے کو لگام ڈالنے والا نہ تھا۔ ابو طالب قرمطی نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں :

"۳۱۷ھ میں ابو طاہر نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی۔ بہت سے حاجیوں کو قتل کیا اور مکہ کو خوب لوٹا۔ میزاب اور خانہ کعبہ کے دروازے کو اکھیڑ ڈالا۔ غلافِ کعبہ اتار کر اپنے لشکر میں تقسیم کر ڈالا اور حجرِ اسود نکال کر اپنے ساتھ "ہجر" کی طرف لے گیا اور چلتے وقت اعلان کر گیا کہ آیندہ حج ہمارے یہاں ہوا کرے گا حجر اسود کے واپس کرنے کے لئے لوگوں نے ابو طاہر سے بہت خط و کتابت کی اور بعض سرداروں نے پچاس ہزار دینار اس کے معاوضے میں دینے چاہے مگر ابو طاہر نے اس کو واپس نہ کیا"[۶۶]

حجرِ اسود کے لے جانے کے باوجود فریضۂ حج خانہ کعبہ ہی میں ادا ہوتا رہا اور بائیس سال تک یہ سلسلہ حجر اسود کے بغیر جاری رہا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں۔ "اما حجر اسود از جائی وے برکندہ بردو ایں واقعہ بعد عصر روز دو شنبہ چہار دہم ذیحجہ ازیں سال واقع شد" --- "وہم چنیں قبۂ زمزم و بابِ کعبہ را برکند و یازدہ روز یا شش روز در مکہ اقامت کرد بسوی حجرِ اسود را در اسطوانۂ سابعہ متصل صحنِ جامع از جانب غربی مسجد بیاویخت و در مکہ جای حجرِ اسود خالی ماند--- چوں از تحویلِ حج مایوس شدند--- شبیر بن حسین قرمطی روز

نحر روز سہ شنبہ دہم محرم ۳۳۹ھ مع حجرِ اسود وارد مکہ گردید مدتِ استمرار حجر اسود نزد قرامطہ بست و دو سال بست و چہارم روز کم"[67]

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے مطابق "۳۳۹ھ میں اسماعیل عبیدی نے قیروان سے بار بار ابو منصور کو لکھا کہ حجرِ اسود خانۂ کعبہ میں واپس بھیج دو تو ابو منصور احمد قرمطی نے حجرِ اسود کو خانۂ کعبہ میں واپس بھیج دیا"[68]

یہ ہے حجرِ اسود جس کو جناب ناظم "کعبۂ جان و دل" سے جدا کر کے اسے مستقل بالذات مقام عطا کر رہے ہیں اور مہرِ نبوت سے تشبیہ دے رہے ہیں انہوں نے اپنی اپج تو دکھا دی مگر یہ نہ غور کیا کہ حجر اسود اور مہرِ نبوت میں کوئی علاقہ بھی موجود ہے یا نہیں۔ اب تک کے مقدمات بحث سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جناب ناظم نے اعلیٰ حضرت کے کلام میں جس مقام پر بھی تبدیلی کی وہ بلا جواز تھی۔ جناب شیخ نے زبانی حوالہ سے بات کی یہ طریق تحقیق بھی درست نہیں۔ محترم ناظم کی تضمین کا مطالعہ کرتے جائیں تو ان کی نفسی کیفیات بھی کھلنے لگتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ عمداً انحراف و تحریف کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ دانستہ طور پر اعلیٰ حضرت کے کلام کو گاہے لفظاً گاہے معناً اتنا بگاڑ دینا چاہتے ہیں کہ اصل کلام کا پتہ لگانا دشوار ہو جائے اور اس کی ابتدا جناب شمس بریلوی نے کی۔

بند نمبر ۶۹

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

روئے آئینہ علم پشتِ حضور
پشتیِ قصرِ ملت پہ لاکھوں سلام[69]

جناب ناظم نے اعلیٰ حضرت کے شعر کی مرکزیت کو نظر انداز کر دیا ہے اور محض (روی) اور (آئینہ) کے الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے سخن سرائی میں مصروف رہے۔ اسی لئے تو وہ "جبین، فروغ، خدین، نور، رخ، ضیا، آب و تاب، جیسے الفاظ و تراکیب لائے اور مناسبات لفظی کے بے جا استعمال سے فاضل بریلوی کے شعری حسن و جمال کو لفظی اور معنوی، ہر لحاظ سے غبار آلود کرنے میں محو رہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شعر میں بنیادی حیثیت "علم" کو حاصل ہے۔ جناب رضا نے بھی صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے وہ بھی تجنیس و تضاد کے امتزاج سے رعایتِ لفظی کا اہتمام کرتے ہیں مگر

ان کے ہاں حسن کی معنویت ماند نہیں پڑتی بلکہ شگفتگی اور تازگی بڑھ جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے شعر میں ان احادیثِ مبارکہ سے استفادہ کیا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پسِ پشت بھی پیشِ رُوی کی طرح دیکھتے تھے

عن انس قال اقیمت الصلوۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی علیہ وسلم بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم و تراصّوا فانی اراکم من وراء ظھری[۷۰]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے روئے انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی اپنی صفوں کو سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو اس لئے کہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھ رہا ہوں[۷۱]"

"بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں صرف سامنے ہی دیکھتا ہوں؟ خدا کی قسم تمہارے رکوع اور سجدے مجھ سے مخفی نہیں ہیں بلاشبہ میں پشت سے تم کو دیکھتا ہوں۔[۷۲]"

حمیدی نے اپنی سند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے مجاہد سے آیہ کریمہ

الذین یرٰک حین تقوم و تقلبک فی السّٰجدین o

کی تفسیر میں بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے پیچھے کی صفوں کو ایسے ہی دیکھتے جیسے اپنے سامنے کی طرف دیکھتے تھے۔[۷۳]

جناب ناظم اس قسم کی دشوار گزار راہوں سے بچ کر گزر جانا چاہتے ہیں اور اس معاملے میں وہ کسی سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتے۔

بند نمبر ۷۳

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اوس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام[۷۴]

جناب شمس بریلوی نے اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اولیٰ کو از سر نو ترتیب دیا ہے۔ ان کی مرتبہ حدائقِ بخشش میں یہ مصرع اس طرح سے ہے ع

جس کے ہر خط میں موج کرم نور کی[۷۵]

شمس شاعر بھی ہیں۔ علم و ادب کے شناور بھی، نہ جانے بعض اوقات کیوں تبدیلی کا شوق انھیں مضطرب کر دیتا ہے اور "رہوارِ قلم" کی عنان پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ جنابِ شمس کی اس ترمیم کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اور اگر وہ کوئی خوبصورت ترتیب دینے میں کامیاب ہوتے تو بھی سمجھتے روا ہے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ ہوا تو یہ کہ اس میں تنافر کا عیب پیدا ہو گیا۔ اور (خط میں مو) کے بجائے (خط ممو) پڑھا جاتا ہے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت کے مصرع میں یہ عیب نہیں ہے امام احمد رضا کے مصرع میں حروف تہجی اپنی بہترین غنائی صورت میں مرتب ہیں۔

"پروفیسر شبلی نے اضافتوں کے سلسلے سے بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ بعض اوقات اضافتیں کثرت سے بھی ہوں، ایسی کاریگری سے استعمال کی جاتی ہیں کہ مخل فصاحت نہیں ہوتیں۔۔۔۔ اصولاً ان کی بات غنائی اعتبار سے غلط نہیں ہے لیکن بالکل صحیح بھی نہیں ہے۔۔۔۔ بات یہ ہے کہ اضافت میں جو "ی" کی صورت ہوتی ہے وہ حرفِ علت کے موسیقی کے تموجات رکھتی ہے۔ شاد نے بھی "فکرِ بلیغ" میں اس نقطے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شاعر اگر موسیقی کا محرم اسرار اور محتاط ہو گا تو وہ اپنی تمام اضافتوں کو یا بہ شکل کسرہ لائے گا یا بشکل (یای)۔ جہاں ان دونوں کا اختلاط ہو گا، وہاں گویا فن کار اس بات سے بے پرواہی برتے گا کہ ایک ہی سُر کے تموجات مختلف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ غور فرمایئے، حسرت نے کثرت اضافات کی جو مثالیں دی ہیں، ان میں یہی عیب اختلاط ہے کہ کہیں اضافت بشکلِ کسرہ ہے اور کہیں بشکل یای۔۔۔۔ اب یہاں یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ اگر اضافتوں کی کثرت بشکلِ کسرہ ہو یا بصورتِ دیگر بشکل (یای) ہو تو بھی شعر کے نغمے اور آہنگ میں بہت کم فرق پڑتا ہے مثلاً غالب

به طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

برابر برابر کی نسبت موسیقی اضافتوں میں پائی جاتی ہے۔"[۷۶]

اعلیٰ حضرت کے شعرِ مذکور میں بھی اضافتوں کی مخلوط صورت ہے اور بغور دیکھیں تو موسیقی کا تناسب برابر برابر اضافتوں میں منقسم ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں (موجِ نورِ کرم) "جیم" کی اضافت بکسرہ اور

"رے" کی اضافت بشکل (یای) ہے اور اسی طرح دوسرے مصرع میں اضافت اول کف کی "ف" کی اضافت بصورت "یای" ہے اور بحرِ ہمت میں (بحر) کی (ر) کی اضافت، کسرہ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس طرح فنی دسترس کا ایک اور ثبوت بہم پہنچایا ہے، ہتھیلی کی لکیروں کو نورِ کرم کی امواج سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ کتنی خوبصوت اور جاندار ہے۔

بند نمبر ۹

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھنچ کر بندھی

اوس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام [۷۷]

جناب ناظم نے جو تضمین کی ہے اس میں کمر کی مناسبت سے ایک مصرع یہ بھی لگایا گیا ہے۔

"جو سرِ خلق پر سایہ گستر رہی" کمر کے لئے "سایہ گستر" کا استعمال شعری روایت کے برعکس ہے۔ عام طور پر سایہ سے مل کر جو تراکیب بنائی گئی ہیں یا بن سکتی ہیں جن میں کوئی قرینہ بھی ہو درج ذیل ہیں۔

"سایۂ ہما۔ سایۂ شام، سایۂ رخسار، سایۂ دست، سایۂ قامت، سایۂ شجر، سایۂ دیوار، سایۂ دار" [۷۸] اور سایۂ گیسو، سایۂ زلف، سایۂ دست، سایۂ بال (بمعنی پر)، سایۂ تیغ، یہ سب درست، مگر سایۂ کمر نہیں۔

اردو شعراء فارسی شعرا کی تقلید میں کمر کو عموماً معدوم تصور کرتے ہیں۔

"مرزا، دہن اور کمر کے ذکر میں فارسی شاعروں کی طرح غلو سے کام لیتے ہیں۔

دل آشفتگاں خال کنجِ دہن کے سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

یا رب ایں مایہ وجود از عدم آوردۂ تست بوسۂ چند ہم از گنجِ دہانے بمن آر

"اے خدا تو نے وجود کو عدم سے خلق کیا ہے اس گنج دہن سے جو عدم ہے، میرے لئے چند بوسے مقدر کر"

فریبِ وعدۂ بوس و کنار یعنی چہ دہن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

ہے کیا جو کس کے باندھیے، میری بلا ڈرے کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں [۷۹]

اس لئے کمر کے لئے سایہ گستر کی ترکیب مبہم ہو گی۔ اعلیٰ حضرت کے ہاں کمر کی نسبت محبوب

مجازی سے نہیں رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ہے۔ جہاں عام شاعرانہ بات کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں محاورہ اپنی صحیح صورت میں بمعنی کسی کام کے کرنے کا مصمم ارادہ کرنے کے آیا ہے۔ اور کمر کی سایہ گستری نہ روزمرہ، نہ محاورہ۔

بند نمبر ۸۳

جناب ناظم نے (دل افروز ساعت) کو دل افروزِ ساعت (افروز۔ زا بکسرہ [۸۰] اضافت) تحریر کیا ہے۔ اس طرح شاعر کے افکار میں بے طرح مداخلت کے مرتکب ہوئے۔ سیدھی سی بات تھی کہ اعلیٰ حضرت اس "دل افروزِ ساعت" پر سلام بھیج رہے ہیں جس ساعت کو ان کے ممدوح و محبوب پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اس عالمِ تیرہ کو فروزاں کرنے تشریف لائے۔ لیکن جناب ناظم کو یہ نسبت منظور نہیں۔

بند نمبر ۸۴

جناب ناظم نے سجدہ کی جگہ (سجدے) [۸۱] لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت جس بات کے ادراک کی بدولت (سجدہ) کا لفظ استعمال کر رہے ہیں ناظم کا شعور اسے گرفت میں نہیں لا سکا، (سجدے) کے لفظ سے یہ اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ایک سے زائد سجدے روا رکھے گئے ہیں لیکن یہ روایاتِ معتبرہ کے برعکس ہوتا اور جب (سجدہ) کا لفظ آیا تو اپنا تعین لے کر آیا، اس لئے (سجدہ) ہی مناسب و موزوں ہے۔

بند نمبر ۸۵

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

زرعِ شاداب و ہر ضرعِ پُر شیر سے
بَرَکاتِ رضاعت پہ لاکھوں سلام [۸۲]

جناب ناظم نے "فنی نقص" کے پیش نظر مصرعِ ثانی میں تحریف کی اور "بَرَکات" کی جگہ (انتقائے۔ رضاعت) استعمال کیا۔ فنی طور پر تو قبل ازیں سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ لغوی طور پر دیکھنا ہے کہ اس ترمیم کی کیا حیثیت ہے اور یہ تبدیلی کہاں تک درست ہے۔

نقا (ن) نقواً و نقی (ض) نقیاً و انتقی = (ہڈی کو) گودے سے خالی کرنا

تنقّی و انتقی = چننا۔ چھانٹ لینا (فیروز اللغات)

انتقار۔۔۔۔۔=چننا، قبول کرنا (عامرہ)

انتقا۔۔۔۔۔= برگزیدگی۔ تزکیہ نفس (مادہ ن ق و)

اور اس کی وضاحت میں یہ بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

"مذہب انتقا کا یونانی طبیب ۔۔۔۔ بڑی حد تک ارواحیت کی طرف مائل تھا" [۸۳]

اور یہ فلاسفہ' یونان پروٹاگوراس اور فیثاغورث کے نظریات پر مشتمل' جس میں ہندو مت کی فکر بھی شامل ہے جو سراسر اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہے ویسے بھی فلسفہ کوئی بھی ہو، تشکیک سے جنم لیتا ہے اور ایمان، یقین سے ابھرتا ہے تو کیا جناب ناظم انتقا کا لفظ استعمال کر کے Occidentalists اور Orientalists کے من گھڑت قصوں کا جواز پیدا کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟ لغوی طور پر بھی انتقا کا لفظ اپنی معنوی حیثیت میں اس قدر محدود ہے کہ وہ "برکات" کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

برکت کے معنی ہیں : ترقی۔ نعمتوں کی زیادتی۔ افزائش۔ کثرت۔ بہتات۔ ازدیاد۔ افراط۔ افزونی۔ بیشی۔ خوش قسمتی۔ عروج۔ اقبال مندی۔ بہرہ مندی۔ سعادت۔ بہبودی۔ کامیابی۔ رونق۔ نمود۔ خوبی۔

اور اعلیٰ حضرت نے جب لفظ (برکات) استعمال کیا تو ان کے سامنے اس لفظ کی ساری معنوی خوبیاں تھیں اور جن تک ناظم کی نگاہ رسائی حاصل نہ کر سکی اور پھر "انتقا" کا لفظ "برکات" کی نسبت ثقیل تھا۔

اگر آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ایام رضاعت کے متعلق احادیث صحیحہ میں وارد حالات و واقعات پر نظر رکھیں تو "برکاتِ رضاعت" کا مفہوم خود بخود واضح ہو جائے گا۔

بند نمبر ۸۶

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

بھائیوں کے لئے ترکِ پستان کریں
دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام [۸۴]

جناب ناظم کی تضمین کے مصرعے خوب ہیں اور جاندار بھی۔ شیخ عطا محمد رقم طراز ہیں "شمار نمبر

۸۶ کے مصرع چہارم "بھائیوں کے لئے ترکِ پستان کریں" تحریر ہے آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ جب جنابہ (جنابہ لغوی اعتبار سے غلط ہے اور یہاں جناب ہی استعمال ہوتا ہے۔ کعبی) محترمہ معظمہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منابع (؟) خیر و برکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو گود میں لیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت مائی صاحبہ کو اپنی دایہ و آیہ کے طور پر قبول فرمایا تو حضرت مائی صاحبہ کے ہاں پہلے ایک شیر خوار بچہ موجود تھا۔ مگر مصرعِ مذکور میں بجائے ایک بھائی کے زیادہ بھائیوں کا اشتباہ وارد ہوتا ہے جو کسی بھی طور مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ جبکہ صرف "بھائی" لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صحیح لفظ "بھائی" ہے۔ یا "بھائیوں" ہے صحت کی جانی ضروری ہے[۸۵]"

اس شعر میں ناظم صاحب نے تو کوئی ترمیم نہیں کی تھی مگر شیخ عطا محمد نے اعتراض کیا ہے اور یہ اعتراض براہِ راست اعلیٰ حضرت کے مصرع پر ہے شیخ صاحب نے اس کا بدل بھی بتایا ہے۔ جہاں تک ان کا یہ فرمانا ہے کہ "صرف بھائی لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا" تو یہ بات ان کی قرینِ صحت نہیں۔ بہت فرق پڑتا ہے۔ سب سے بڑا فرق تو یہ پڑے گا کہ مصرع وزن سے خارج ہو جائے گا آپ پورا زور صرف کر کے بھی مصرع میں موزونیت قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ دوسرا اعتراض بغیر تحقیق، کر دیا ہے۔ ان کی اس وضاحت کے لئے ہمیں سیرت کی کتب کا مطالعہ مفید و امداد گار ہو سکتا ہے۔ دیکھیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے سیرت نگار کیا کہتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد تین چار دن تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ثویبہ نے پھر حضرت حلیمہ سعدیہ[۸۶]"

"شرفائے مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے۔۔ دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب و ہوا کے مقام پر بھیج دیا کرتے تھے[۸۷]" "چند دن آپ کو آپ کے چچا ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا پھر عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کے لئے (جن سے زیادہ اپنی اولاد میں ان کو کوئی محبوب نہ تھا) دیہات کی کسی دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کی۔[۸۸]"

"حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے آپ کے رضائی بھائی بہنوں کے نام یہ دیے

ہیں۔ عبداللہ۔ انیسہ۔ اور خذامہ جن کا اصلی نام ایشما تھا۔ لیکن خذامہ کے نام کا غلبہ ان کے اصلی نام پر ہو گیا اور وہ اپنے خاندان میں اسی نام سے مشہور ہو گئی تھیں یہ سب حلیمہ بنت ابی ذویب کے بچے تھے "[۸۹]

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے چار رضاعی بھائی۔ بہن تھے، جن کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ، انیسہ، حذیفہ، اور خذامہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں ان میں سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت، باقیوں کا حال معلوم نہیں "[۹۰] "کنز العمال (جلد ۳، ۲۴۶، حدیث ۳۹۱۲) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم! آپ حمزہ کی صاحبزادی سے نکاح کا پیغام کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں "[۹۱]

مفتی عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں

"جب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم عالم بطون سے عالمِ ظہور میں تشریف لائے تو تین یا سات دن اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ بعد ازاں ثویبہ، ابولہب کی لونڈی نے چند روز دودھ پلایا۔ اس طرح جناب سید الشہدا حمزہ اور ابو سلمہ مخزومی اور عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے کیونکہ ان تینوں نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا "[۹۲]

"جمہور اصحاب سیرت و تاریخ رحمہم اللہ اس امر پر متفق ہیں کہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد سب سے پہلے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی کنیز ثویبہ تھی اس نے اپنے بیٹے مسروح نامی کے ساتھ دودھ پلایا، سید الشہدا حمزہ، مسروح، ابوسلمہ مخزومی۔ عبداللہ بن جحش اسدی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان اخوتِ رضاعیہ اس وجہ سے تھی کہ تمام نے ثویبہ کے پستان سے دودھ پیا تھا "[۹۳]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"اما اخوۃ رضاعیہ یکی حمزہ عم اوست۔ دیگری ابوسلمہ بن عبدالاسد زوج ام سلمہ، مادر او برہ بنت عبدالمطلب عمہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پیشتر داد ایشاں را و آنحضرت را ثویبہ جاریہ ابولہب بشیر پسر خودش مسروح بن ثویبہ بتفاوت چہار سالہ۔ نخست حمزہ را داد و بعد از وی آنحضرت را و بعد ازاں

بعبداللہ بن عبدالاسد وابوسفیان بن الحارث ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نیز اخ رضاعی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم است وشیر داداو را و آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم راحلیمہ سعدیہ واولادِ حلیمہ سعدیہ ہمہ اخوۃ واخوات اند"[۹۴]

مولانا مودودی لکھتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ابتدائً چند روز تک ابو لہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ اسی کا دودھ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر) نے بھی پیا تھا۔ ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ بن جحش (ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بھائی نے بھی اسی کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے یہ حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ اسی خدمت کے صلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم جوان ہونے کے بعد ہمیشہ ثویبہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے رہتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی شادی ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس کی تکریم اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرتی تھیں۔۔۔۔ ۷ھ میں آپ کو اس کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے اس کے بیٹے مسروح کا حال دریافت کیا جس نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا معلوم ہوا کہ وہ بھی مر گیا اور اس کا دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا"[۹۵]

ان تمام روایتوں کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ایک سے زیادہ رضاعی بھائی تھے اور اعلیٰ حضرت کا "بھائیوں" کا لفظ استعمال کرنا بالکل درست اور تحقیق پر مبنی ہے۔ اور جہاں تک بھائیوں کے لئے ترکِ پستاں اور نصفت کا تعلق ہے سیرت کی تمام کتب عالیہ اس پر شاہدِ عدل ہیں۔

بند نمبر ۸۸

جناب ناظم کی تضمین خوبصورت ہے مگر ان کا مصرع (ان کی زلفیں ہیں ینبوع مشک ختن)[۹۶] غریب ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بچپن کی عمر، اس کی سادگی اور معصومیت، حسن اور رعنائی، کیفیت اور ادائیں پیش نظر رکھی ہیں لیکن جناب ناظم کی تضمین میں "زلف" کا مذکور اس عمر سے شاید مناسبت نہیں رکھتا۔ سوال یہ ہے کہ بچپن سے یہاں کیا مراد ہے؟ بچہ کس عمر تک ہے؟ اس کی عمر کے مدارج

کیا ہیں؟

"رحم میں جب تک بچہ رہے اسے جنین کہا جاتا ہے۔ اور جب پیدا ہو جائے تو اس کا نام ولید ہے اور جب پیدا ہو کر کچھ دن شیر خواری کے گزارے تو اس کا نام طفل ہے اس کے بعد صبی کہتے ہیں۔ پھر مراہق۔ اس کے بعد غلام انیس سال تک، اس کے بعد شاب چونتیس برس تک، پھر کہل اکاون برس تک پھر آخر عمر تک شیخ

ان مدارج کو سامنے رکھیں اور اعلیٰ حضرت کے شعر کا سیاق و سباق بھی ملحوظ رہے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے بچپن کے جس دور پر درود و سلام بھیج رہے ہیں، عمر کے اس دور میں بالوں کا اس قدر دراز ہونا کہ اس پر زلف و گیسو یا کاکل کا اطلاق کیا جا سکے بعید از امکان ہے۔

بند نمبر ۹۶

اعلیٰ حضرت کا شعر اس طرح سے ہے۔

روزِ گرم و شبِ تیرہ و تار میں
کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام[98]

جناب ناظم کی تضمین میں شعر کی صورت بدل کر یوں بنا دی گئی ہے۔

رازِ گرم و شبِ تیر و تار میں
کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام[99]

محترم ناظم نے (کوہ و صحرا) کی نسبت سے (خلوت) کو ذہن میں نہیں رکھا اور نہ ہی (روزِ گرم و شبِ تیرہ و تار) کو وہ محسوس کر سکے ہیں ورنہ محض خلوت کے لئے راز کا لفظ منتخب نہ کرتے "(شبِ تیرہ) اور (کوہ و صحرا کی خلوت) کے ساتھ (روزِ گرم) ہی مناسب تھا۔ (راز گرم) کیا ہے؟ اس ترکیب میں کوئی معقولیت نہیں۔ ناظم کے مصرع میں "تیرہ و تار" کی جگہ "تیر و تار" آیا ہے اگر یہ کتابت کی غلطی نہیں اور ناظم صاحب کا اجتہاد ہے تو یہ مصرع غیر موزوں ہے۔

بند نمبر ۱۰۱

اعلیٰ حضرت کے شعر کی اصل ہیئت یہ ہے۔

نرمئ خوئے لینت پہ دائم درود
گرمی شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام[100]

جناب ناظم نے (گرمیِ شانِ سطوت) کی جگہ (گرمیِ شان و شوکت) [۱۰۱] رکھ دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے الفاظ کے حقیقی و مجازی معنوں کی ساری دلالتوں پر نظر رکھی ہے۔ (نرمی اور گرمی) میں صنعت تضاد موجود ہے اس لئے کہ نرمی، لطافت اور ٹھنڈک سے عبارت ہے اور گرمی میں شدت اور سختی پائی جاتی ہے۔ نرمی اور گرمی میں صنعتِ تجنیس بھی موجود ہے۔ نرمی اور لینت میں رعایت لفظی ہے مگر ایک حسن کے ساتھ۔ شان و شوکت کو اعلیٰ حضرت نے عمداً استعمال نہیں فرمایا کہ یہ مرکب عطفی کی صورت میں از حد مستعمل ہے۔ لینت کے مقابلہ میں اس کا تضاد (سطوت) لائے۔ سطوت کے معنی ہیں "حملہ کرنا۔ مضبوط گرفت کرنا۔"

یہاں (مضبوط گرفت) مراد ہے۔ "شان و شوکت" میں رعب تو ہے مگر وہ شدت نہیں جس کا تقاضا لفظ (گرمی) کر رہا تھا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کا مصرع، جناب ناظم کی ترمیم کے مقابلہ میں بہت زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اور پھر بند نمبر ۱۰۲ میں بھی "شوکت" کا قافیہ استعمال ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہاں "شوکت" کا استعمال جس خداداد طباعی و ذہانت سے کیا ہے وہ لایقِ تحسین ہے۔ انھوں نے "شان و شوکت" کو جمع پہلے بھی نہ کیا اور اب بھی ایسی کسی ترکیب کو نہیں لائے۔ (خداداد شوکت) [۱۰۲]، نہایت خوبصورت ترکیب وضع کی جس میں بہت سے التزامات مخفی ہیں۔

بند نمبر ۱۰۳

اعلیٰ حضرت کا شعر حدایقِ بخشش میں اس طرح تحریر ہے۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام [۱۰۳]

جنابِ ناظم نے دوسرے مصرع میں ترمیم کی ہے۔ اب مصرعِ ثانی (خوانِ رحمت میں) یوں ہے

آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام [۱۰۴]

ناظم نے جو مصرعے متضمن کیے ہیں وہ اس قدر جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں کہ آپس میں بھی مربوط نہیں اور اگر ان کے مصرعوں کو سامنے رکھیں تو (آنکھ والوں) ہی مناسب نظر آئے گا۔ اعلیٰ حضرت نے اگر (آنکھوں والوں) استعمال کیا ہے تو وہ بھی روزمرہ کے مطابق ہے۔ اور اس میں احترام کی صورت موجود ہے۔ فقرا جب گدایانہ ملتجی ہوتے ہیں تو ان کا ایک مقولہ ہوتا ہے "آنکھوں والو!

آنکھیں بڑی نعمت ہیں (علمی اردو لغت) ایک اور بات یاد رکھنی لازم ہے کہ اعلیٰ حضرت اہلِ زبان سے ہیں اور نہایت بلند پایہ عالم و فاضل اہلِ زبان۔

(آنکھوں والوں) اس لئے بھی ضروری ہے کہ جمع کا صیغہ ہے اور اشارہ دو عظیم الشان اولوالعزم رسولانِ کرام کی جانب، دونوں لفظوں کو جمع صورت میں لانا خود جناب ناظم کے ہاں مستعمل ہے۔ دیکھئے حفیظ تائب کے لئے لائے گئے القاب میں (قائدِ نعوت نگاراں) یہاں (قائدِ نعت نگاراں) درست تھا مگر انھوں نے (نعوت نگاراں) لکھا ہے۔ جنابِ شمس بریلوی نے جو "حدایقِ بخشش" ۱۹۷۶ء میں مرتب کر کے مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کی جانب سے شائع کی، اس میں اعلیٰ حضرت کے مصرع کو علی حالہٖ قائم رکھا مگر تضمین کرتے وقت اس مصرع کو تبدیل کر دیا۔ ع

"آنکھ والے کی ہمت پہ لاکھوں سلام" ۱۰۵

"اور آنکھ والے" انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا حالانکہ مضمون کا تسلسل صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تک ہی نہیں۔ مشاہدۂ انوارِ الٰہی میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اطہر بھی شریک ہے جس کی سمت مضمون میں سیاق و سباق سے بتصریح اظہار موجود ہے۔ تحریف کے بعد دو تراکیب سامنے آتی ہیں

"آنکھ والے" اس میں اگر ایک طرف شوخی ہے تو دوسری طرف تکلف کا پہلو نکلتا ہے جو ۔۔۔ ادب کے خلاف ہے اور "آنکھ والوں" پر غور کیا جائے تو اس میں بھی ایک قباحت ہے کہ شاید اس سے "ایک آنکھ والے" مراد ہیں اور یہ بھی توہین ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت محبت و وقار سے مملو الفاظ میں ڈھال کر، ترکیب بنا کر "آنکھوں والوں" استعمال کیا جو ہر لحاظ سے مناسب ہے۔

بند نمبر ۱۰۷

تضمین کا پورا بند اس طرح دیا ہے۔

گیت اللہ اکبر کے گاتی صدا صرصراتی ہوئی جگمگاتی صدا
دل لبھاتی ہوئی من کو بھاتی صدا "وہ چقاچاق خنجر سے آتی صدا
"مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام" ۱۰۶

جناب ناظم کے مصارع اس کیفیت اور منظریت کو ابھارنے میں ناکام رہے ہیں جو "صوت" کا تقاضا تھا۔ ان کے مصرعے نرمی اور لطافت پر دلالت کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے شعر میں مصرع اولیٰ "وہ چقاچاق خنجر سے آتی صدا" پڑھتے وقت واقعتاً محسوس ہوتا ہے کہ خنجر چل رہے ہیں اور جسموں پر فولادی ملبوسات سے ٹکرا رہے ہیں ان کے مصرع اولیٰ میں "چ" کی تکرار اور "الف کشیدہ" کی جھلاہٹ اس کیفیت کو پیدا کرنے میں معاون ہے۔

بند نمبر ۱۱۲

جناب ناظم نے اعلیٰ حضرت کے شعر کو (خوان رحمت) میں اس طرح لکھا ہے۔

پارہ ہائے صحف غنچہ ہائے قدس
۱۰۷
اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام

حسنی پریس بریلوی کے مطبوعہ نسخہ میں "پارہائے صحف غنچہائے قدس" املا دیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے کلام کو جدید اور موجودہ رسم املا میں لکھنے کا آغاز تو جنابِ شمس بریلوی نے کر دیا تھا مگر ناظم بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ کسی زبان و ادب کی تاریخ جب زمانی اعتبار سے مرتب ہوتی ہے تو ادوار کی ترتیبِ قدیم و جدید میں خطِ امتیاز کا بہت بڑا عنصر اس عہد کا طرزِ املا ہوا کرتا ہے اور شمس و ناظم نے اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن اس شعر میں جو تبدیلی کی گئی ہے خیال ہے کہ اسے کلامِ رضا میں نقص سمجھ کر روا رکھا گیا ہے۔

۱۔ پہلی بات اصول و قواعد کی ہے بے جان اسموں کی جمع بنانے کے لئے قاعدہ ہے کہ اگر آخر میں ہائے مختفی ہو تو علامت جمع لگانے سے پہلے اسے اڑا دیا جاتا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ اگر ان لفظوں کو ہی صحیح مان لیا جائے یعنی "پار" اور "غنچ" تو بھی یہ اپنے معنی کے اعتبار سے درست استعمال ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ ضرورتِ شعری کے تحت بھی بعض اوقات تخفیف و تسکین ہو سکتی ہے۔

۴۔ ایک اور بات جو اعلیٰ حضرت نے اس میں مدِ نظر رکھی ہے وہ ہے ذم کے پہلو سے احتراز

اگر جناب ناظم کا املا اختیار کیا جائے تو (بائے) کا لفظ بتکرار ایک افسوسناک صدا بن کے ابھرتا ہے۔

بند نمبر ۱۱۷ میں حسن حسین انداز میں حضرت فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی ذات مطہرہ پر سلام بھیجا ہے اسی پیرائے میں ان کی صفات پاکیزہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جناب ناظم نے اپنی سی کوشش کی ہے لیکن ان کے مصارع میں تکلف ہی تکلف ہے۔ ایک تو انھوں نے ردیف کے انتخاب میں غلطی کی دوسرے بعد میں جب وہ حضرت فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی صفات کے لئے الفاظ انتخاب کرنے بیٹھے تو ردیف کی تکرار بے معنی نظر آنے لگی اور بوجھل انداز سے دہراتے رہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اسما پہلے جمع کر لئے اور پھر بغیر فکر کیے الفاظ رکھتے چلے گئے۔ جہاں اور جیسی ترتیب بنی، بن گئی۔ اسی لئے بعض اسمائے فاعل کا تعلق بعض دیگر مصرعوں کے اسماسے قریب تر تھا۔

بند نمبر ۱۱۸

بند نمبر ۱۱۸ میں اعلیٰ حضرت کے شعر میں مزعومہ فنی نقص کو دور کرنے کے لئے مصرع کی ابتدا میں "وہ" کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ شمس بریلوی کی اختراع ہے۔ اور انہی کی مرتبہ "حدایقِ بخشش" سے مستعار لی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا شعر تھا ؎

حسنِ مجتبیٰ سید الاسخیا
۱۰۹
راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اور شمس و ناظم نے مصرع اولیٰ کی صورت یہ کر دی ہے۔ ع

"وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا"

"حسن مجتبیٰ" میں ایک خاص بات یہ رکھی گئی تھی کہ مرکب اضافی ہے اور اس میں اضافت ابنی بنتی ہے۔ اس لحاظ سے مجتبیٰ، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا بھی صفاتی نام ہے۔ اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی آل، اور قرآن مجید نے بھی "ابناءنا" کا اطلاق حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ہی کیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بھی بارہا انھیں فرزند کہہ کر پکارا۔

عن سعد بن ابي وقاص قال لما نزلت هذه الآ ية ندع ابناء نا وابناء كم دعا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم عِلِيّاً و فَاطِمَةَ و حَسَنًا و حُسَيْنا فقال اللهم

هولآأهل بیتی رواہ مسلم [۱۱۰]

وعن ابي بكرة قال رايت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على المنبر و الحسن بن علي الى جنبه وهو يقبل على الناس مرة وعليه اخرى و يقول ان ابنى هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين رواه البخاری [۱۱۱]

ترجمہ :- ۱۔ روایت ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی (ندع ابناء نا و ابناء کم) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا پس کہا اے اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت نقل کی یہ مسلم نے

۲۔ اور ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا منبر پر ہیں اور حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے پہلو میں۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ایک بار لوگوں پر نگاہ کرتے اور ایک بار حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرادے۔ نقل کی یہ بخاری نے اور جب "وہ حسن مجتبیٰ" کہیں گے تو وہ بات نہیں رہے گی جو "حسنِ مجتبیٰ" کی ترکیب میں تھی پھر (وہ) بالکل حشو ہے۔ فنی لحاظ سے اس پر بات ہو چکی۔

بند نمبر ۱۳۲

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

دُرِّ دُرجِ نجف ، مہرِ بُرجِ شَرَف
رنگِ رُومی شہادت پہ لاکھوں سلام [۱۱۲]

جناب ناظم نے رنگِ رومی کے بجائے "رنگ روی" کر دیا ہے۔ "رنگ روئے شہادت" اپنے سیاق کی مناسبت سے مبہم ترکیب بنتی ہے۔ "رنگِ رومی" سرخ رنگ سے کنایہ اور "دُرِّ دُرجِ نجف" میں بھی اس دلالت کا التزام ہے۔ اور "شاہِ گلگوں قبا" میں بھی۔

"رومی" صہیبِ روم سے ماخوذ ہے یا شنگرف رومی سے

صہیبِ رومی سے اس لئے کہ جب وہ ہجرت کر کے آرہے تھے تو کفار نے سب ساز و سامان ان سے لوٹ لیا اور امامِ عالی مقام کی ہجرت الی اللہ اور شہادت میں یہ قرینہ موجود ہے اور "دُرِّ دُرجِ نجف"

کی مناسبت "شنگرفِ رومی" اور پھر "رنگِ رومی شہادت" میں ہے۔ اس طرح اعلیٰ حضرت نے "رنگ رومی شہادت" میں جو امکانات رکھے ہیں ان کی بدولت "رنگ روئے شہادت" درست نہیں۔ جناب مفتی محمد خاں قادری صاحب نے "رنگ رومی شہادت" ہی رکھا ہے مگر اس کی بالکل وضاحت نہیں کی۔

بند نمبر ۱۲۶

اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

منزلٌ مِنْ قصبْ لَا نَصَبْ لَاصَخَبْ

ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام [۱۱۳]

جنابِ شمس بریلوی نے اس شعر میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی، اعراب میں "نہ الفاظ" میں۔ لیکن ناظم نے اس میں بھی تحریف ضروری گردانی۔ انھوں نے مصرعِ اولیٰ کو یوں بنادیا ہے ؏

منزلِ مَن قصبْ لا نصَبْ لا سخَبْ [۱۱۴]

یہ شعر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں ہے اور اس سے قبل کے دو اشعار سے پیوست۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

سَیّا پہلی ماں کہفِ امن و اماں حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی اوس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام [۱۱۵]

اعلیٰ حضرت نے اپنے اشعار کی بنیاد بخاری شریف کی حدیثِ مبارکہ پر رکھی ہے حدیثِ مبارکہ اس طرح سے ہے

حدثنا مُسَدَّدٌ حدثنا یحییٰ عن اسمٰعیل قَالَ قُلتُ لِعَبْدِاللّٰہِ بْنِ ابی اَوْفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بَشَّرَ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم خدِیجَۃَ قَالَ نعمْ بِبَیْتٍ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِیْہِ ولا نَصَبَ

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنما سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کو بشارت دی تھی؟ جواب دیا ہاں۔ ایسے محل کی بشارت دی تھی جس میں نہ شور و غل ہوگا اور نہ رنج و مشقت اور وہ موتی کا محل ہوگا" [۱۱۶]

"قصب بہ فتح قاف و صاد مروارید کاواک و   در. بہشت خانہا خواہد بود از یک مروارید"[۱۱۷]

اور قصب جواہر سے وہ ہوتا ہے کہ دراز اور اندر سے خالی ہو اور حدیثوں میں صریحاً ذکر موتی کا آیا ہے۔ "لاصخب ولانصب فیہ کے ترجمہ میں لکھا" اور نہ شور و شغب ہو گا اس گھر میں اور نہ رنج و تعب"[۱۱۸]

"نفی ان دونوں چیزوں کی اس لئے کی کہ دنیا کے گھر میں جو لوگ رہتے ہیں تو شور و شغب وہاں ہوتا ہے اور اس کے بنانے سنوارنے میں رنج و تعب ہوتا ہے پس خبر دی اللہ تعالیٰ نے کہ محل جنت کے خالی ہوں گے ان آفات سے"[۱۱۹]

"اور بے شک سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنت میں خولدار موتی کے محل کی بشارت دی یہ عظمت اس لئے ہے کہ آپ ایمان لانے میں سبقت لے گئیں اور اس محل میں نہ شور و غل ہے نہ مشقت ہے اور یہ اس لئے ہے کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے کبھی بلند آواز نہ کی اور کسی وقت بھی آپ کو مشقت میں نہ ڈالا اور کسی روز بھی آپ کے سامنے چیخ کر نہ بولیں اور نہ کبھی آپ کو اذیت دی"[۱۲۰]

جناب ناظم نے جو تحریف کی اس کا حدیثِ مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اعلیٰ حضرت کے شعر سے مربوط ہے۔ اعراب میں ترمیم سے یہ ترکیب بالکل مہمل اور مبہم ہو کر رہ جاتی ہے اور پھر (صخب) کو (سخب) لکھا ہے اس کا بھی کوئی جواز نہیں۔

قَصَبْ کے لغوی معنی ہیں۔

=نرسل۔ بانس۔ (القاموس الفرید)

=نرخرا۔ نرکل۔ نلی (عامرہ)

=بانس۔ سرکنڈا۔ ہر گرہ دار پودا۔ (فیروز اللغات)

قصب خولدار چیز کو کہا جاتا ہے۔ اور اس مناسبت سے نرسل۔ بانس۔ نرخرا۔ نرکل۔ نلی اور جنت کے موتی کے محل پر بھی اس کا مجازاً اطلاق ہوا کہ وہ بھی خولدار ہے۔ رنج و آفات سے بھی خالی اور شور و شغب سے بھی۔

اگر ہم (قصب) کو اس کے عام لغوی معنی میں لیں تو اس سے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ

وسلم کی معیشت و معاشرت کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ عام طور پر ازواجِ مطہرات کے حجرات تھے اور ان کے معزز مکین تھے۔ اس لفظ سے ان کے لائف اسٹائل کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر سادہ اور کٹھن زندگی گزارتے ہوئے امت مسلمہ کے لئے اسوۂ حسنہ کا پیکر تراش رہے تھے۔ مشکل ترین حالات میں بھی ازواجِ مطہرات کی طرف سے شیوۂ تسلیم و رضا کا اظہار نساء العالمین کے لئے رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔ معانی کی جو جہت بھی رکھی جائے، اعلیٰ حضرت کا شعر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا بہترین نقشہ پیش کر رہا ہے، بلکہ ازواجِ مطہرات کی مجموعی زندگی کا، جو اطاعتِ رسول اور اطاعتِ خدا کا کامل نمونہ تھی، نکھر کر سامنے آتی ہے۔

بند نمبر ۱۳

جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
۱۲۱
ان سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

اور جنابِ شمس نے شعر کا پیکر اس طرح تبدیل کیا ہے۔

جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
۱۲۲
اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

حدایقِ بخشش مطبوعہ حسنی پریس بریلی میں یہ شعر اس طرح سے دیا ہے۔

جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
۱۲۳
اوس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

مفتی محمد خاں قادری نے مذکورہ بالا شکل کو ہی اختیار کیا ہے۔ شمس و ناظم نے ضمائر کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں مصرعوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جنابِ شمس نے مصرعِ اولیٰ میں (جن) کے بجائے (جس) کر دیا تاکہ (اس) کے مقابل درست لفظ لایا جا سکے۔ لیکن اس سے معنوی طور پر ایک نقص پیدا ہوتا نظر آتا ہے۔ اس سے یہ اشتباہ رو پذیر ہوتا ہے کہ شاید یہ مقام و مرتبہ صرف کسی ایک زوجۂ مطہرہ کو حاصل ہے (جیسا کہ مفتی محمد خاں قادری صاحب نے اس کی تشریح میں یہ رخ اختیار کیا ہے۔ مفتی صاحب نے جلی عنوان تو دیا ہے "جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں" اور واقعہ ملک الموت کی آمد کا تحریر فرمایا ہے۔ ہمارے خیال میں روح القدس، جبریلِ امین ہی کو کہا جا سکتا

ہے نہ کہ ملک الموت کو" حالانکہ ایسا نہیں۔ اس بلند منصب کا شرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت اعلیٰ سے سبھی ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔ اور اگر مخصوص واقعہ افک کی نسبت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عصمت کا بیان کہا جائے تو اس شعر کے مصرعِ اولیٰ میں موجود ضمیر (جن) اس کی نفی کر رہی ہے جس کی دلیل ناظم کی ترمیم ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعی اعلیٰ حضرت سے سہو ہوا ہے یا مرتب حدایق بخشش جناب حسن رضا نے اس پر غور نہیں فرمایا اور یہ خطا واقع ہو گئی۔ بظاہر ایسا ہی لگتا ہے۔ مگر ٹھہریے لغت کی ورق گردانی سے شاید کوئی مفید رہنمائی ہو۔

سُرْدَقَ = گھر کو پردہ لگانا، شامیانہ لگانا

سُرادِق = جمع سُرادِقات: شامیانہ۔ ڈھانپ لینے والا غبار یا دھواں (فیروز اللغات)

= سراپردہ۔ شامیانہ (فرہنگ عامرہ)

= چادرِ بزرگ روئی تکیہ و حیاط کشند (آموزگار)

= سراپردہ و آنچہ بالای صحنِ خانہ کشند۔ سرادقات جمع (منتخب)

سردق۔ سرادق = سراپردہ۔ سرادقات جمع

ویقال بیت مسروق۔ خانہ سراپردہ (صراح جلد دوم)

السرادق = کعلابط۔ الذی یمد فوق صحن البیت

وفی الصحاح، صحن الدار (ج سرادقات)

قال سیبویہ جمعوہ بالتاء و ان کان مذکر لم یکسر و فی التنزیل احاط بہم سرادقھا قال الزجاج ای حصار علیہم سرادق من العذاب

(تاج العروس)

سرادق اسم جمع (Collective Noun) ہے اور اس کے استعمال کی دو صورتیں ہیں۔ اگر تمام پردوں کی مجموعی بات ہو تو سرادق واحد مستعمل ہو گا اور اگر جدا جدا پیش نظر ہوں گے تو ساتھ ضمیرِ اشارہ جمع آئے گی۔ اس کی مثال انگریزی لفظ جیوری ہے۔ اگر ارکان کی رائے متفقہ ہو تو اس کے ساتھ فعل (Verb) واحد آتا ہے اور اگر ارکان کی رائے میں اختلاف ہو تو فعل جمع کی صورت میں۔

ان معنوں پر غور کریں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے لفظوں کے استعمال میں کہیں خطا نہیں کی اور نہ ہی مرتب نے کوئی ایسی ناروا تبدیلی کی ہے اور نہ ہی ضمیرِ موصولہ ظرفی (جن میں) اور اسمِ اشارہ (اس) میں کوئی عدمِ مطابقت ہے۔ جنابِ ناظم کی تبدیلی سے یہ ہوا کہ "سرادق" جو اس صورت میں واحد مستعمل ہے اس کے ساتھ ضمیرِ اشارہ جمع کا اجتماع باہم متناقض ہوا اور اس طرح یہ عدمِ مطابقت' خلافِ اصول ٹھہری۔

اعلیٰ حضرت جب پہلے مصرع میں "جن میں" سرادق کے ساتھ جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ان کی نظران "سراپردوں" پر ہوتی ہے جو امہات المومنین کے دیوار و در پر لٹکے رہتے تھے۔ وہ اس بات کی علامت تھے کہ یہ ازواجِ مطہرات کے مکانات ہیں۔ ان مکانات یا حجرات کی ہئیت و ساخت بڑی سیدھی سادی تھی۔

"حضرت عمران بن ابی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ چار حجرے کچی اینٹوں کے جن کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی جبکہ پانچ حجرے صرف مٹی اور کھجور کی ٹہنیوں کے تھے ان کے دروازوں پر کمبل یا ٹاٹ کے پردے لٹکے ہوئے تھے [۱۲۴]" اور جب وہ "اس سرادق" میں اسم اشارہ واحد حالت میں استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ان حجرات کی نسبت رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ہوتی ہے تو یہ صاف بات ہے کہ وہ تمام شامیانے مل کر ایک بڑے شامیانے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح آج کل بڑی بڑی منزلیں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور اس میں مختلف فلیٹس، انفرادی رہائش یا دفاتر کے لئے مخصوص کر دیے جاتے ہیں جو الگ الگ ملکیت متصور ہوتے ہوئے بھی اسی ایک بلڈنگ کا حصہ ہوتے ہیں۔ اور اس پر ایک ہی منزل کا اطلاق ہوتا ہے۔ (اس مثال میں اس کیفیت خصوصی سے صرف نظر کرتے ہوئے) یہی صورت ان حجرات کی تھی کہ وہ ایک ہی صاحب البیت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی منزلِ اقدس تھی جس میں ان کی ازواجِ مطہرات کے لئے الگ الگ کوشک مخصوص تھے اور یہ بات "اس سرادق کی عصمت" سے بھی عیاں ہے کہ جب وہ (اس سرادق) کے ساتھ (عصمت) کا لفظ لاتے ہیں تو عصمت تو خاصۂ انبیاء ہے اور اسی لئے انھوں نے (اس سرادق) کہتے وقت (اس) کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے کی

ان دلالتوں کو پیش نظر رکھیں تو نہ کہیں ابہام رہتا ہے نہ کسی عدمِ مطابقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے

اور نہ کوئی لفظی و معنوی تضاد باقی رہتا ہے۔

بند نمبر ۱۳۸

پورا بند اس طرح سے ہے ؎

مصطفیٰ کی دعا کا اچھوتا ثمر آسمان عدالت کا روشن قمر
جن کے قدموں کے نیچے تھے فوز و ظفر "وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام" ۱۲۵

جناب ناظم کے تیسرے مصرع میں ضمیر موصولہ اضافی جمع حالت میں لائی گئی ہے اور جس کا یہ اسم موصول ہے وہ واحد ہے اور پہلے دو مصرعوں میں بھی واحد ہی متصور ہے۔ ایک ہی شخصیت کے لئے ایک ہی بند میں واحد اور جمع کا صیغہ لانا "شتر گربہ ہے" مولانا حسرت موہانی لکھتے ہیں۔

"بقول حضرت شوق نیموی ایک ہی چیز کو تعظیم اور تحقیر دونوں کے ساتھ استعمال کرنا شتر گربہ ہے۔ اس کو "شتر گربہ" اس لئے کہتے ہیں کہ اونٹ اور بلی میں جو مناسبت ہے وہی صیغہ جمع و مفرد اور کلماتِ تعظیم و تحقیر میں بھی ہے" ۱۲۶

بند نمبر ۱۳۰

جناب ناظم نے تضمین کرتے وقت اعلیٰ حضرت کے مصرع ثانی میں تحریف کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے ؎

ترجمانِ نبی ہمزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

محترم ناظم نے (جانِ شانِ عدالت) کے بجائے (جاں نثارِ رسالت) کر دیا ہے۔ ان کا پورا خمسہ اس طرح سے ہے ؎

بہر کفار تیر کمان نبی حافظ عتبہ و آستان نبی
اعتماد نبی پاسبان نبی "ترجمان نبی ہمزبان نبی
جاں نثار رسالت پہ لاکھوں سلام" ۱۲۷

اس پورے خمسہ کو پڑھ جائیے۔ اعلیٰ حضرت کا مصرع اولیٰ، اس ساری فضا سے بیگانہ و اجنبی دکھائی

دیتا ہے۔ پورے ماحول میں تنہا۔ ناظم کے تینوں مصرعوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے گویا انہوں نے بغیر دیکھے ہی تضمین کر ڈالی اور یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ایک نہایت موزوں، جاندار اور برجستہ مصرع (ثانی)، ان کے ہاتھوں بے جان اور مضمحل ہو کر رہ گیا۔ اعتراض اس بات پر نہیں کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جاں نثارِ رسالت) کہا بلکہ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کی شانِ عدالت کی روح کا عظیم مظہر تھے۔ اور اس طرف خود ناظم "آسمانِ عدالت کا روشن قمر" کہہ کر اشارہ کر آئے ہیں لیکن یہاں انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس صفتِ خاص سے، جو اسلام کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کی بنیاد بنی، صَرفِ نظر کر لیا۔ حالانکہ "حدیث میں آیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو صدق کی لواء ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نصب کی جائے گی پس ہر صدیق ان کی لوا کے نیچے ہوگا اور لوائے عدل، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے ہر عادل ان کی لوا کے نیچے۔۔۔۔الخ" [۱۲۸]

کئی احکام خداوندی واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عین خواہش کے مطابق نازل ہوئے۔ اسیرانِ بدر، شراب کی ممانعت، ازواجِ مطہرات کے حجاب کا مسئلہ، آیات قرانی اس بات کی شاہد ہیں کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے ویسا ہی خداوندِ قدوس نے پسند فرمایا۔

"ان کی رائے کا مختلف مواقع پر قرآن کے ارشاد سے یہی تطابق تھا اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور امت کے لئے یہی جذبۂ خیر سگالی تھا جس نے انھیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہوں میں اس درجہ پسندیدہ اور قابلِ ترجیح شخصیت بنا دیا تھا۔۔۔۔ایک بار حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے عمرہ کی اجازت چاہی اور کہا کہ میں عمرہ کے لئے پیدل جاؤں گا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی لیکن جب وہ چلنے لگے تو بلوا بھیجا اور کہا میرے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں مجھے بھی شریک رکھنا" [۱۲۹]

حضرتِ ناظم نے یہاں ترمیم کی تو اس میں بھی ان کے فہم و شعور نے خطا کی۔ یہاں بھی اعلیٰ حضرت کا مصرع مذکور ہی درست ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی، سیدنا حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں۔

۱۔ غوثِ اعظم امام التقیٰ و النقیٰ جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام
۲۔ قطبِ ابدال و ارشاد و رُشد الرّشاد محیِ دین و ملت پہ لاکھوں سلام
۳۔ مردِ خیلِ طریقت پہ بے حد درود فردِ اہلِ حقیقت پہ لاکھوں سلام
۴۔ جس کی منبر ہوئی گردنِ اولیا اوس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام ۱۳۰

جناب شمس بریلوی نے شعر نمبر ۲ کے پہلے مصرع میں نقص کے پیش نظر ترمیم کی اور مصرع کی صورت یوں بنادی۔

قطب و ابدال و ارشاد و رشد الرشاد ۱۳۱

جناب بشیر حسین ناظم نے مزید نظر فرمائی اور یوں لکھا ع

قطب و ابدال ارشاد و رشد الرشاد ۱۳۲

مفتی محمد خاں قادری نے جناب شمس کی پیروی کی ہے اور تشریح میں بھی اسے برقرار رکھا ہے۔ مشکل الفاظ کے معنی میں لکھتے ہیں :-

قطب و ابدال ------ اہلِ طریقت کے درجات ہیں۔ ۱۳۳

اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان علماء کرام نے اعلیٰ حضرت کے شعر میں " قطبِ ابدال " کو " غلطی " سمجھا ہے اور اسی سبب سے تصحیح و ترمیم کی ہے۔ جناب شمس کے مصرع کو سامنے رکھیں تو لگتا ہے کہ انھوں نے (قطب و ابدال) اور (ارشاد و رشد الرشاد) کو دو الگ الگ مرکباتِ عطفی سمجھ لیا ہے اور (قطب اور ابدال) کے درمیان واؤ عاطفہ (و) کے نہ ہونے کو کتابت کی غلطی گردان کر (واؤ) ڈال دی اور ہمارے اس خیال کی تائید جناب بشیر حسین ناظم کا مجوزہ مصرع (قطب و ابدال ارشاد و رشد الرشاد) کر رہا ہے جس میں (قطب و ابدال) کو الگ مرکب عطفی بنایا گیا ہے اور (ارشاد و رشد الرشاد) کو ایک الگ مرکب۔ اگر ان کی ترمیم کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اعلیٰ حضرت پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پہلے ممدوح جناب غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلند مقام کا ذکر فرمایا اور پھر فروتر مقام کا نام لے کر درجات و اکرام میں کمی کے باعث تنقیصِ شان کو روا رکھا کہ (قطب) کا مقام (ابدال) سے بلند تر ہے اور اگر یہ ذہن میں نہیں تو کلام میں نقص ہے کہ پہلے اعلیٰ، پھر اسفل کا ذکر کیا لیکن حاشا و کلّا ایسا نہیں اور نہ ہی اعلیٰ حضرت سے اس طرح کی بات کا امکان۔

اعلیٰ حضرت کے اس شعر کی وضاحت خود ان کے اپنے کلام سے ہو رہی ہے۔ حدایق بخشش میں حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک منقبت ہے جس کی ردیف " ہے عبدالقادر" ہے۔ اس منقبت کا ایک شعر ہے ؎

قطبِ ابدال بھی ہے محورِ ارشاد بھی ہے ۱۳۴
مرکزِ دائرۂ سر بھی ہے عبدالقادر

ان حضرات نے (قطب، ابدال، ارشاد) پر بالکل سرسری نظر کی اور (قطب و ابدال) پر مزید غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی اور (ارشاد) کو (ر ش د) سے مشتق ہونے کی بنا پر اس کے دوسرے مشتقات (رشد، رشاد) کا حصہ تصور کر لیا اور اسی مقام پر ان کے ذہن رسا سے کوتاہی ہوئی۔

دراصل (قطب ابدال و ارشاد و رشد الرشاد) مرکب اضافی ہے جس میں اضافت وصفی ترکیبی ہے۔ موصوف (قطب) کے ساتھ (ابدال و ارشاد و رشد الرشاد) صفت ترکیبی ہے "کبھی دو صفات کے مابین واؤ عاطفہ ہوتی ہے یا اضافت آتی ہے۔ مثلاً تعلق قدیمانہ و مخلصانہ، تعلق قدیمانہ مخلصانہ، درست اور مستعمل دونوں ہیں مگر پہلی صورت یعنی واؤ عاطفہ کو ترجیح حاصل ہے۔" ۱۳۴-A

قطب ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث و محقق دہلوی اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں "چنانچہ اس مجلس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اپنی اجمالی مدد سے سرفراز فرمایا اور یہ اجمالی مدد عبارت تھی مقام مجددیت سے، وصایت اور قطبیتِ ارشادیہ سے یعنی آپ نے مجھے ان مناصب سے نوازا اور نیز مجھے شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور اقامت بخشی" ۱۳۵

قطبِ ابدال و ارشاد، قطب کے مقامات ہیں:

سید محمد ذوقی، رجال اللہ کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان کا وجود آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نبیِ آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے تک اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے لے کر ظہورِ مہدی علیہ السلام اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک رہا اور رہے گا۔ قیام کائنات کا دارومدار ان پر ہے۔ عبد و رب کے درمیان فیض رسانی کا یہ ذریعہ ہوتے ہیں۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفاتِ کونیہ کی قدرت سے حق تعالیٰ ان کو

مشرف فرماتا ہے۔۔۔ جس طرح حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اس کی مقتضی کہ آفتاب کو نور عطا فرماتا ہے اور اس آفتاب سے عالم کو روشن کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر نازل فرماتا ہے۔ پھر اس نور کو اصلاحِ عالم اور نظامِ بنی آدم کا وسیلہ بناتا ہے۔

یہ حضرات دو اقسام پر منقسم ہیں۔

اولیاءِ ظاہرین اور اولیاءِ مستورین

اولیاءِ ظاہرین کے سپرد خدمتِ ہدایتِ خلق ہوتی ہے یہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ خدمتِ ہدایت ان کو اپنے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔ اولیاءِ مستورین کے سپرد امورِ تکوینی ہوتا ہے یہ اغیار کی نگاہ سے مستور رہتے ہیں۔ یہ صاحبِ خدمت ہوتے ہیں اور امورِ انتظامی کے انصرام کے لئے ضرورتِ اظہار سے مستغنی ہیں انہیں رجال الغیب اور مردانِ غیب کہتے ہیں "۱۳۶

رجال اللہ' ظاہرین ہوں یا مستورین' بارہ اقسام میں منقسم ہیں۔

۱۔ اقطاب ۔۲۔ غوث ۔۳۔ امامان ۔۴۔ اوتاد ۔۵۔ ابدال ۔۶۔ اخیار ۔۷۔ ابرار ۔۸۔ نقبا ۔۹۔ نجبا۔ ۱۰۔ عمد۔ ۱۱۔ مکتومان۔ ۱۲۔ مفردان

اقطاب: "ہر زمانہ میں تمام دنیا میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے جسے قطبِ عالم یا قطبِ کبریٰ یا قطب ارشاد ۔۔۔ یا قطبِ مدار یا قطب الاقطاب ۔۔۔ کے ناموں سے پکارتے ہیں۔

عالمِ سفلی و علوی میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اوسی کے فیض برکت سے قائم رہتا ہے۔ اگر قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو جائے۔ قطبِ عالم حق تعالیٰ سے براہِ راست اور بلا واسطہ فیض حاصل کرتا ہے اور اس فیض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے۔ بڑی عمر پاتا ہے نورِ خاصۂ مصطفوی کی برکت سے ہر سمت میں دیکھتا ہے خواہ آنکھیں اس کی کھلی ہوں یا بند۔ ماتحت اقطاب کے تقرر و تنزل و ترقی کا اختیار رکھتا ہے۔ ولی کو معزول و مقرر کرنے کا مجاز ہے"

"اقطاب کے بھی بے شمار انواع ہیں جو سب قطبِ عالم کے ماتحت ہوتے ہیں مثلاً قطب ابدال، قطب اقالیم۔ قطبِ ولایت وغیرہ"

قطبِ عالم یا قطبِ ارشاد "ولایتِ شمس رکھتا ہے۔ برعکس قطب ابدال کے جس کی ولایت قمری

ہوتی ہے۔۔۔ سالک ہوتا ہے اور اوس کی ترقی جاری رہتی ہے۔ ترقی کرتے کرتے مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے جسے محبوبیت بھی کہتے ہیں"

"پھر محبوبیت میں بھی بعض مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ایک خاص امتیازی شان سے نوازے جاتے ہیں جیسے حضرتِ غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی سلطان نظام الدین اولیا" ۱۳۷

مگر حسبِ تصریح حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی دہلویؒ سیدنا عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مستفیض ہیں۔ نیز محبوبیتِ قادریہ عالمگیر ہے اور محبوبیتِ نظامیہ کئی قطعاتِ ارض تک نہیں پہنچتی۔ رہا لفظ سبحانی والٰہی، سو مقامِ جذب و محبوبیت سے جیسا تناسب کہ لفظِ سبحان کو ہے لفظِ الٰہ کو نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً۔ اور نہ لفظِ الٰہ ذاتِ بحت پر دال ہے، بلکہ سبحان کہ رتبۂ ذات کا نام ہے" ۱۳۸

رشد الرشاد

رَشَدَ۔ یَرْشُدُ۔ رُشْداً۔ نیز رَشِدَ یَرْشَدُ رَشَداً و رَشَاداً معاملہ کا صحیح حل یا صحیح راستہ پالینا (تاج)

الرُّشْدُ: سختی سے راہ راست پر استقامت کو کہتے ہیں:

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے راستہ پر پختگی سے جم جانے کو کہتے ہیں

غیٌ کی ضد ہے۔ یہ صحیح راہنمائی اور ہدایت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سورۂ نساءمیں رشدا (۶ / ۴) آیا ہے جس کے معنی معاملہ فہمی کی صلاحیت یا عقل کی پختگی کے ہیں۔

اَرْشَدْتُہٗ۔ میں نے اسے ٹھیک راہ بتائی۔

الرَّشِید۔ صحیح راہ بتانے والا۔ نیز وہ شخص جو معاملات کا ٹھیک اندازہ لگائے یا جن کے اندازہ کئے ہوئے معاملات پوری طرح بغیر کسی مدد اور رہنمائی کے انتہا تک پہنچ جائیں

رَشَداً صرف صحیح راستے کی طرف رہنمائی ہی نہیں بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری تدابیر اور ان کی کامیابی کے لئے آسانیاں بہم پہنچانا بھی ہے۔

لہذا (رُشد) ایک جامع لفظ ہے جس میں ہدایت، حکمت و بصیرت سے لے کر منزلِ مقصود تک

پہنچنے کے لئے عملی تدابیر اور راستے کے خطرات اور نقصانات سے بچنے کے سامان سب آجاتے ہیں۔

(لغات القرآن۔ پرویز)

رُشَاد — راہ مستقیم دکھانے کا عمل۔ رہنمائی۔ نیک ہدایت

ہور کیا یوں عرض اے شاہ رشاد
میں تعدی بیچ تھا اس سے زیاد

(تحفۃ الاحباب۔ ملا باقر آگاہ)

ظلمت و گمراہی۔۔۔۔ ضیائے رشاد سے پرنور ہوئی
(مرقع تہذیب)

سن رہے ہیں وہ صدا وہ دعوت صدق و رشاد
راہنما جس کا سکوت شب ہے مرکب دوش باد

(فردوس تخیل)

رَشادِی = ان دو ذریعوں میں جو اصول جمع ہوتے ہیں وہ ایک متغیر اور معتدل شکل میں رشادی یعنی اہل سنت کی مدرسی الٰہیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر)

اب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا شعر واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے مصرع اولیٰ میں (قطبِ ابدال وارشاد و رشد الرشاد) ہی کہا ہے۔ اور اس طرح قطب کے مقامِ مستور و ظاہر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دین و ملت کے ظاہر و باطن پر پورا تصرف حاصل ہے۔ اور اپنے کمال تصرف ہی سے انھوں نے دین و ملت کے جسدِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کی۔ اور وہ "محیِ دین و ملت" ہیں۔

بند نمبر ۱٦۰

جنابِ ناظم نے شعر میں اس طرح ترمیم کی ہے۔

جس کی منبر بنی گردنِ اولیا
اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت کا شعر تھا۔

جس کی منبر ہوئی گردنِ اولیا
اوس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

(منبر ہونا) اور (منبر بننا) میں مجاز و حقیقت کا فرق ہے۔ اعلیٰ حضرت نے (منبر ہونا) کو مجازی معنی میں استعمال کیا ہے اور اگر (منبر بننا) ہو تو لغوی اور حقیقی معنوں کی طرف اشارہ ہو گا جس کا مطلب ہو گا کہ واقعتاً اولیاء اللہ کی گردن منبر بن گئی جب کہ مصرعے کا مفہوم یہ نہیں بلکہ (منبر ہونا) سے مراد اطاعت و انقیاد ہے۔

بند نمبر ۱۶۲

جناب ناظم نے اعلیٰ حضرت کے مصرع ثانی میں (گُلِ روضِ ریاضت) کو (وردِ روضِ ریاضت) میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس تحریف پر قبل ازیں بہ تفصیل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ مصرعِ اولیٰ میں (سیّد آلِ محمد) پر جو اعراب دیے گئے ہیں ان سے یہ ترکیب (سیّدِ آلِ محمد) میں صورت پذیر ہو گئی ہے اور اگر ان اعراب کو درست سمجھ لیا جائے تو مصرع وزن سے خارج ہو جاتا ہے۔

بند نمبر ۱۶۶

محترم ناظم نے اعلیٰ حضرت کے شعر کی صورت یوں دی ہے

زیبِ سجادِ سجادہ نور نہاد
احمد پاک طینت پہ لاکھوں سلام

جناب ناظم کی تضمین سے پہلا مصرع تو بالکل خارج از وزن ہو گیا۔ اور دوسرے مصرع میں جب اعلیٰ حضرت ایک وصفِ خاص بیان فرما رہے ہیں تو کیا ضروری تھا کہ تضمین نگار اس میں بھی ترمیم کر دیتے۔ شاید وہ نہیں چاہتے کہ (احمد) کے ساتھ (نور طینت) کی ترکیب آئے۔ (سجادہ) کے ساتھ (نور نہاد) گوارا کر لیا مگر (سجاد) کے لئے نہیں۔ اعلیٰ حضرت (نوری نہاد) کے ساتھ (نور طینت) ہم معنی الفاظ لا کر تکرارِ معنوی سے مرشدِ موصوف کے شایانِ شان مدحت کرنا چاہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے شعر کی اصل صورت اس طرح سے ہے

زیبِ سجادہ، سجادِ نوری نہاد
احمدِ نور طینت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت سید ابوالحسین احمد نوری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ جن کی مسند نشینی پر ۱۲۹۸ھ میں اعلیٰ حضرت نے نظم کہہ کر نذر گزرانی تھی۔ جس کا مطلع ہے ؎

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین ١٣٩

بند نمبر ١٧٠

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کا شعر اس طرح سے تھا

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

مصرعِ اولیٰ میں (رحمت پہ دعویٰ) اول اول جنابِ شمس بریلوی نے اپنی مرتبہ حدایقِ بخشش میں لکھا۔ پھر یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ ناظم نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ مقام (پہ) کا ہے یا (میں) کا

بظاہر تو دونوں درست معلوم ہوتے ہیں مگر ہمارا مؤقف ہے کہ (پہ) کی نسبت (میں) اصح ہے۔ اگر (رحمت پہ دعویٰ) ہو تو اس کے معنی ہوں گے۔

مطالبہ کرنا۔ نالش کرنا۔ مقدمہ دائر کرنا

اور اگر (رحمت میں دعویٰ) ہو تو اس کا مفہوم ہوگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ رحمۃً للعالمین ہیں۔ آپ کی رحمت ارض و سما کو محیط ہے۔ جہاں ہر چیز آپ کی عنایت کی طلبگار ہے، وہیں احمد رضا بھی آپ کے حضور عرضِ حال کر رہا ہے۔ (دعویٰ کے معنی عرضِ حال کے بھی ہیں--- آموزگار)

اور پھر اپنی ذات تک ہی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ لطف و کرم کو محدود تصور نہیں فرماتے بلکہ اس شہنشاہ کی ساری امت کو اس امن و سلامتی میں شریک سمجھتے ہیں اور ساری امت پر سلام بھیجتے ہیں۔

(میں) یہاں ظرفِ مجازی کے طور پر آیا ہے۔ جیسے

ولکم فی القصاص حیوٰۃ ١٤٠

(میں) حرف تمیز ہے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے بنیادی طور پر حالتِ ظرفی کو ظاہر کرتا ہے اس کی مختلف صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ ظرف مکانی مثلاً گھر میں

۲۔ ظرف زمانی کی تمیز کے لئے مثلاً دیر میں آنے والا، دو سال میں کام ختم ہوا

۳۔ حالت، کیفیت، طور یا طریقے کے اظہار کے لئے مثلاً

خوشی میں۔ غم میں۔ غصے میں۔ ہنسی میں وغیرہ

میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

۴۔ اسم یا ضمیر سے نسبت کے لئے۔ عمر میں بڑا ہے۔

۵۔ مقابلے کے لئے۔ دونوں میں کون بڑا ہے۔ اس میں فرق ہے۔

۶۔ وزن کے لئے۔ وزن میں پورا

۷۔ صفت عددی کے ساتھ ربط و تعلق کے لئے۔ دس آدمیوں میں تقسیم کرو۔[۱۴۱]

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ مصنف جامع القواعد (نحو) نے بہتر انداز میں اور وافر امثلہ سے (میں) کے مختلف مستعملات کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ میں۔ ظرف مکان کے ربط کے لئے

دنیا میں کہیں اس نے ٹھکانا جو نہ پایا
آباد ہوئی خانہ خرابی مِرے گھر میں

۲۔ تعداد کے ربط کے لئے

یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں
یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں

۳۔ ربطِ محض کے لئے

گو قتل کا ارادہ ہو مجھ کو یہ ناز ہے
بیٹھے رہے وہ آج مرے انتظار میں

۴۔ امتیاز کے ربط کے لئے

چلے آئے ہیں وہ مقتل سے ناخوش
برا نکلا ہے کوئی امتحاں میں

۵۔ حالت کے ربط کے لئے

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

۶۔ وجہ کے اظہار کے لئے

مشتاق اس صدا کے بہت دردمند تھے
اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

۷۔ ظرفیت کے لئے

اس سے پوچھو تم مری آشفتگی
زلف کہہ دے گی تمہارے کان میں

۸۔ ظرفِ مجازی کے لئے

ترا آزردہ ہونا بھی ادا ہے
مگر وہ دل لگی میں یا ہنسی میں ۱۴۲

امثلہ مذکورہ بالا کو غائر نگاہ سے دیکھا جائے تو ان سے (رحمت میں دعویٰ) کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۳، حسنی پریس بریلی

۲۔ حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۵، رفاہ عام پریس، آگرہ

۳۔ حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۵، فرید بک سٹال لاہور

۴۔ دیوان غالب، نسخہ حمیدیہ، مرتبہ حمید احمد خاں، مجلس ترقی ادب لاہور

۵۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۴۴۳ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳

۶۔ حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۳ حسنی پریس بریلی

۷۔ خوان رحمت، ص ۲۶ مرکزی رضا لاہور

۸۔ علمی اردو لغت، وارث سرہندی، علمی کتاب خانہ لاہور، طبع سوم 1983

۹۔ ولی اللہ، شاہ، محدث دہلوی، اطیب النغم ص 113-112 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، مارچ 1985

A-۹۔ کرم شاہ، محمد، الازہری، مترجم قصیدہ اطیب النغم ص 113-112، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1985

۱۰۔ کعب بن زہیر، رضی اللہ عنہ، حضرت، قصیدہ بانت سعاد ص ۶۰-۵۸ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۱۔ فضل احمد عارف مترجم قصیدہ بانت سعاد، ۶۰-۵۸ ایڈیشن مذکور

۱۲۔ بوصیری، محمد بن سعید، امام، قصیدۃ البردہ ص ۳۱۴ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ

A-۱۲۔ محمد احمد قادری، ابوالحسنات، طیب الوردہ علی قصیدۃ البردہ ص ۳۱۴ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ

۱۳۔ ترمذی، ابو عیسیٰ، امام، شمائل ترمذی، ص ۸ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۹ھ

۱۴۔ محمد لاری، مترجم شمائل ترمذی، ص ۸ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۹ھ

۱۵۔ حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۳ حسنی پریس بریلی

A-۱۵۔ عطا محمد، شیخ۔ جہان رضا، ماہنامہ، ص ۵۹، مارچ ۱۹۹۴ء لاہور

۱۶۔ کلیات غالب غزلیات فارسی، مرتبہ وزیر الحسن عابدی، ص ۹، میری لائبریری، لاہور، تحقیقی ایڈیشن

۱۷۔ خوان رحمت، ص ۲۶ مرکزی مجلس رضا لاہور

۱۸۔ خوان رحمت، ص ۲۷

A-۱۸۔ خوان رحمت، ص ۱۲

۱۹۔ خوان رحمت، ص ۱۲

۲۰۔ خوان رحمت، ص ۱۲

۲۱۔ خوان رحمت، ۱۵-۱۴

۲۲۔ خوان رحمت، ص ۱۵

۲۳۔ خوان رحمت، ص ۱۵

۲۴۔ خوان رحمت، ص ۱۵

۲۵۔ جان رحمت، عبدالغنی سالک، ص ۱۴ مدنی مسجد محلہ قصبہ لالہ موسیٰ گجرات

۲۶- باران رحمت (غیر مطبوعہ- فوٹو کاپی)، ص ۱۱
۲۷- خوان رحمت، ص ۱۹
۲۸- خوان رحمت، ص ۲۷
۲۹- اصطلاحات صوفیہ، محمد عبدالصمد، شاہ، ص ۴۸، مکہ بکس لاہور
۳۰- قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیہ، ص ۶۷-۳۶۶ اقبال اکادمی پاکستان
A- ۳۰- قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیہ، ص ۲۷-۳۶۶ اقبال اکادمی پاکستان
۳۱- شہاب الدین سہروردی، حضرت شیخ، عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، ص ۶۸۱ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۲- شہاب الدین سہروردی، حضرت شیخ، عوارف المعارف مترجم شمس بریلوی، ص ۶۸۱ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳- خوان رحمت، ص ۲۷
۳۴- ترمذی، ابو عیسیٰ، امام، شمائل ترمذی حدیث ہند بن ابی ہالہ، ص ۹
۳۵- کافی مراد آبادی، کفایت علی، مولانا، بہار خلد ترجمہ شمائل ترمذی بحوالہ ماہنامہ نعت اکتوبر ۱۹۹۲، ص ۳۳
۳۶- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۳ حسنی پریس بریلی
۳۷- خوان رحمت، ص ۲۸ مرکزی مجلس رضا لاہور
۳۸- دیوان حافظ، ص ۵۱۹ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور
۳۹- قصائد عرفی حصہ غزلیات (رباعیات)، ص ۱۳۳ مطبوعہ نولکشور لکھنو
۴۰- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۳
۴۱- خوان رحمت، ص ۲۸ مرکزی مجلس رضا لاہور
۴۲- کوثر نیازی، مولانا، روزنامہ جنگ ۳ اکتوبر ۱۹۹۰، لاہور
۴۳- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۴۴- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۴۵- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۴۶- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۴۷- حدایق بخشش، مرتبہ شمس بریلوی، ص ۲۰۷ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۴۸- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۴۹- خوان رحمت، ص ۳۰ مرکزی مجلس رضا لاہور
۵۰- ساں بو- کلاسیک کیا ہے، ترجمہ غلام یعقوب انور، نئی تحریریں (۳) ص ۱۱، حلقہ ارباب ذوق لاہور
۵۱- ساں بو- کلاسیک کیا ہے، ترجمہ غلام یعقوب انور، نئی تحریریں (۳) ص ۱۲ حلقہ ارباب ذوق لاہور
۵۲- عابد علی عابد، تنقیدی مضامین، ص ۲۵ میری لائبریری لاہور
۵۳- عابد علی عابد، تنقیدی مضامین، ص ۳۱ میری لائبریری لاہور
۵۴- عابد علی عابد، تنقیدی مضامین، ص ۳۰ میری لائبریری لاہور
۵۵- عابد علی عابد، نئی تحریریں (۳) ص ۳۳ حلقہ ارباب ذوق لاہور
۵۶- ساں بو- نئی تحریریں (۳)، ص ۱۲ حلقہ ارباب ذوق لاہور

۵۷- سید قطب التصویر الفنی فی القرآن مترجم غلام احمد حریری، قرآن مجید کے فنی محاسن، ص ۳۹ فیصل
اسلامک ریسرچ سینٹر فیصل آباد
۵۸- اردو لغت، تاریخی اصول پر، ص ۵۵۴- مرکزی اردو بورڈ کراچی
۵۹- دیوان مومن مرتبہ ضیا احمد بدایونی بحوالہ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خاں، ص ۱۶۷
۶۰- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۶۱- خوان رحمت، ص ۱۳ مرکزی مجلس رضا لاہور
۶۲- توکلی، نور بخش، علامہ، سیرت رسول عربی، ص ۳۰۳ تاج کمپنی لمیٹڈ
۶۳- کاشفی ہروی، ملا معین وعظ- معارج النبوت جلد سوم، ص ۵۶۰، مترجم اقبال، اصغر فاروقی مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۱
۶۴- بخاری، محمد بن اسماعیل، امام- صحیح بخاری- جلد اول کتاب المناسک، ص ۶۳۳ فرید بکسٹال لاہور
۶۵- اختر شاہجہان پوری، ترجمہ صحیح بخاری- جلد اول کتاب المناسک، ص ۶۳۳ فرید بک سٹال لاہور
۶۶- اکبر شاہ خاں، نجیب آبادی- تاریخ اسلام جلد سوم، ص ۲۲۶ نفیس اکیڈمی کراچی
۶۷- صدیق حسن خاں، نواب، بھوپالی- حجج الکرامہ فی آثار القیامہ، ص ۲۰۶، ۲۰۷ مطبع شاہجہانی بلدہ بھوپال
۶۸- اکبر شاہ خاں، نجیب آبادی، تاریخ اسلام جلد سوم، ص ۲۳۷ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶
۶۹- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴، حسنی پریس بریلی
۷۰- بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، بحوالہ ترجمان السنہ حصہ چہارم، ص ۴۳۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۷۱- بدر عالم، مولانا، ترجمان السنہ، حصہ چہارم، ص ۴۳۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۷۲- سیوطی- جلال الدین، حافظ- الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیرالوریٰ مترجم غلام معین الدین نعیمی جلد اول ۱۵۵، ۱۵۶
مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۷۳- سیوطی- جلال الدین، حافظ- الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیرالوریٰ مترجم غلام معین الدین نعیمی جلد اول ۱۵۵، ۱۵۶
مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۷۴- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۷۵- حدایق بخشش، ص ۲۰۹ مرتبہ شمس بریلوی مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۷۶- عابد علی عابد، اسلوب، ص ۳۳- ۲۳۲ مجلس ترقی ادب لاہور دسمبر ۱۹۷۱
۷۷- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۴ حسنی پریس بریلی
۷۸- دانش، احسان- اردو مترادفات، ص ۱۷۱ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۰ء
۷۹- جلالپوری، علی عباس- مقالات جلالپوری، ص ۹۷ آئینہ ادب لاہور
۸۰- خوان رحمت، ص ۳۳ مرکزی مجلس رضا لاہور
۸۱- خوان رحمت، ص ۳۳ مرکزی مجلس رضا لاہور
۸۲- حدایق بخشش، ص ۲۵ حسنی پریس بریلی
۸۳- اردو لغت تاریخی اصول پر- مرکزی اردو بورڈ لاہور
۸۴- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۵

۸۵- عطا محمد، شیخ، جہان رضا۔ مارچ ۱۹۹۴
۸۶- حیات رسالت مآب، ص ۵۵، راجہ محمد شریف، زاہد اکیڈمی، جوہر آباد
۸۷- سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین جلد اول، ص ۴۱۰ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۸۸- علی ندوی، ابوالحسن، نبی رحمت، ص ۱۰۳ مجلس نشریات اسلام کراچی
۸۹- ابن ہشام، عبدالملک، سیرت النبی مترجم مہر و جلیل جلد اول، ص ۱۸۳ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۹۰- شبلی نعمانی، سیرت النبی جلد اول، ص ۱۱۱۷ الفیصل اردو بازار لاہور
۹۱- دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰، ص ۳۰۳، دانشگاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۶۲
۹۲- عبدالعزیز، مفتی، سیرت محبوب رب الجلیل، ص ۳۸ ملک غلام محمد تاجر کتب لاہور
۹۳- کاشفی ہروی، معین واعظ، معارج النبوت مترجم، اصغر فاروقی، اقبال فاروقی، جلد دوم، ص ۱۲۰ مکتبہ نبویہ لاہور
۹۴- عبدالحق، شیخ، محدث دہلوی۔ مدارج النبوت جلد ۲، ص ۸۸-۲۸۷ مطبع منشی نولکشور لکھنو
۹۵- مودودی، ابو اعلی، سیرت سرور عالم، جلد ۲، ص ۹۶، ۹۵ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۹۶- خوان رحمت، ص ۳۴
۹۷- محمد احمد قادری، ابوالحسنات، طیب الوردہ علی قصیدہ البردہ، ص ۶۴، ۶۳ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ طبع سوم ۱۹۷۸
۹۸- حدایق بخشش، ص ۲۵ حسنی پریس بریلی
۹۹- خوان رحمت، ص ۳۵
۱۰۰- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۰۱- خوان رحمت، ص ۳۶
۱۰۲- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۰۳- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۰۴- خوان رحمت، ص ۳۷
۱۰۵- تصوف، سہ ماہی، جلد ۱۲ شمارہ ۱، ص ۳۷ کراچی
۱۰۶- خوان رحمت، ص ۳۷
۱۰۷- خوان رحمت، ص ۳۸
۱۰۸- خوان رحمت، ص ۳۹
۱۰۹- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۱۰- مسلم، امام، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، ص ۵۶۰ مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۷ھ
۱۱۱- بخاری، امام، بحوالہ مشکوۃ المصابیح، ص ۵۶۱ مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۷ھ
۱۱۲- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۱۳- حدایق بخشش، ص ۲۶ حسنی پریس بریلی
۱۱۴- خوان رحمت، ص ۴۱
۱۱۵- حدایق بخشش، ص ۲۷

۱۱۶- محمد بن اسماعیل بخاری، امام، صحیح بخاری مترجم اختر شاہجہان پوری جلد دوم، ص ۴۵۴ فرید بک سٹال لاہور
۱۱۷- عبدالحق، شیخ محدث دہلوی- مدارج النبوت جلد ۲، ص ۲۷۳ نولکشور لکھنو
۱۱۸- قطب الدین خاں، مولوی، دہلوی، مظاہر حق جلد چہارم، ص ۶۵۷ نولکشور لکھنو
۱۱۹- قطب الدین خاں، مولوی، دہلوی، مظاہر حق جلد چہارم، ص ۶۵۸، نولکشور لکھنو
۱۲۰- علامہ سہیلی بحوالہ انوار لاثانی مارچ ۱۹۹۱ء
۱۲۱- خوان رحمت، ص ۴۱
۱۲۲- حدایق بخشش، ص ۲۱۶ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۱۲۳- حدایق بخشش، ص ۲۷
۱۲۴- عبدالمعبود- تاریخ المدینہ المنورہ، ص ۱۴۷ مکتبہ رحمانیہ لاہور
۱۲۵- خوان رحمت، ص ۴۲
۱۲۶- حسرت موہانی، مولانا نکات سخن، ص ۹۵ طبع ششم انتظامی پریس حیدر آباد
۱۲۷- خوان رحمت، ص ۴۳
۱۲۸- محمد جعفر حسنی- تذکرۃ الواعظین مترجم ظہیر احمد شاہ، ص ۲۵۸ تاجران قومی کتب لاہور ۱۹۰۷
۱۲۹- طہ حسین- الشیخان مترجم شاہ حسن عطا، ص ۱۲۸ نفیس اکیڈمی کراچی
۱۳۰- حدایق بخشش، حصہ دوم، ص ۲۸ حسنی پریس بریلی
۱۳۱- حدایق بخشش، ص ۲۱۹ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶
۱۳۲- خوان رحمت، ص ۶۴ مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۳۳- شرح سلام رضا- ص ۵۴۰ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور، بار دوم ۱۹۹۴
۱۳۴- حدایق بخشش، ص ۲۴۳ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶
A- ۱۳۴ جامع القواعد، ص ۱۱۸ ڈاکٹر غلام مصطفٰی مرکزی اردو بورڈ جنوری ۱۹۷۳ بار اول
۱۳۵- مشاہدات و معارف، غلام سرور ترجمہ فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، ص ۱۲۷ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور طبع ۱۹۴۷
۱۳۶- سردلبراں، ص ۱۹۴، ۱۹۵
۱۳۷- سردلبراں، ص ۹۸، ۹۷، ۱۹۶ سید محمد ذوقی طبع اول اجمیر شریف
۱۳۸- فیض احمد فیض مقدمہ ترجمہ زبدۃ الآثار، ص ۲۴ مکتبہ نبویہ لاہور
۱۳۹- حدایق بخشش حصہ اول، ص ۳۸ مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور
۱۴۰- شرح ماتہ عامل، ص ۳۰ جمال گھوٹوی، حافظ محمد- کتب خانہ اسلامیہ ملتان ۱۳۳۳ھ
۱۴۱- جامع القواعد حصہ صرف، ص ۸۲- ۴۸۱ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، مرکزی اردو بورڈ لاہور مارچ ۱۹۷۱
۱۴۲- جامع القواعد حصہ نحو، ص ۳۸- ۱۳۷ غلام مصطفٰی، ڈاکٹر، مرکزی اردو بورڈ لاہور جنوری ۱۹۷۳

حرفِ آخر

مقالہ تحریر کیا جا چکا تھا کہ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا نوازش نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے ایک مفید مشورہ سے نوازا تھا۔

"علم ہوا ہے کہ آپ جناب بشیر حسین ناظم صاحب کی "تضمین بر سلام رضا" (خوان رحمت) پر مقالہ تحریر فرما رہے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ اس موضوع پر ہمارے سرپرست قبلہ علامہ شمس بریلوی صاحب مدظلہ بھی مقالہ قلم بند فرما رہے ہیں کیا ہی بہتر ہو کہ آپ اس ضمن میں ان سے رابطہ فرما کر پھر مقالہ لکھیں[1]"

اس کے جواب میں راقم نے عرض کیا تھا

"علامہ شمس تو شمسِ ادب و فن ہیں۔۔۔۔ مگر اعلیٰ حضرت کے کلام میں تحریفات کا ڈول بھی علامہ صاحب نے ڈالا ہے۔ وہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سرپرست بڑی خوشی سے ہوں اور وہ بارے ہی کیوں نہ خاندانِ رضا پر اپنا غصہ نکالتے رہیں کہ انھوں نے تشریحاتِ رضا میں تعاون نہیں کیا۔[2] یہ بھی جناب شمس کر سکتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی، آج یہ حال ہے کہ کلامِ رضا کو "شاملاتِ دہ" سمجھ لیا گیا ہے۔ کوئی "شارحِ سلامِ رضا" بن کر "سلامِ رضا" کے حسن و جمال اور شکوہ و جلال کو خاک میں ملانے کی سعی کر رہا ہے۔ کوئی تضمین کے پردے میں اور کوئی ترتیب کے نقاب میں رکھ کر، اعلیٰ حضرت کے کلام کی وضاحت و بلاغت کا سارا حسن تباہ کر رہا ہے یہاں تک کہ مفاہیم میں بھی۔۔۔۔ اس لئے میرے مکرم! میں کسی ایسی سازش میں شریک نہیں ہو سکتا جو اعلیٰ حضرت کے کلام و مقام کے لئے ضرر رسانی کا باعث ہو سکے۔ میں حضرت مسعودِ ملت جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا قلبی اتھاہ سے ممنون ہوں اور تہِ دل سے ان کا ادب و احترام کرتا ہوں مگر وہ بھی بریلوی مصنفین کے لئے احمد ندیم قاسمی بنتے جا رہے ہیں کہ ہر چھوٹی سی چھوٹی تحریر پر ان کی تقدیم آ رہی ہے اور بشیر حسین ناظم کے معاملہ میں بھی ان کی اس عالی ظرفی نے یہ گُل کھلائے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان کا ارشاد و فرمان ہے کہ بشیر حسین ناظم نے تحریف کی ہے۔ حک و اضافہ سے کام لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس بات سے

بری الذمہ نہیں ہو جاتے کہ انھوں نے یہ ترمیم و تحریف کا عمل دیکھ کر بھی تقدیم لکھی اور اس پر گرفت نہیں کی"[۳]

ان معروضات کے بعد ہم جنابِ شمس کی مرتبہ حدایقِ بخشش کی صرف پہلی دو اردو نظموں کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جناب شمس نے کہاں تک تحریف و ترمیم سے کام لیا ہے؟ اور کیا ان کا مؤقف درست ہے؟ جنابِ شمس نے حدایقِ بخشش کی ابتدا حمد و مناجات سے کی ہے۔ حمد عربی زبان میں ہے اور محبوب علی خاں کے مرتبہ حصہ سوم سے ماخوذ ہے۔ پہلی اردو نظم مناجات ہے جس کا مطلع ہے ؎

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کُشا کا ساتھ ہو

اس نظم کو جنابِ شمس نے خدا کے حضور مناجات کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ کاش مناجات کی روح میں اترتے تو انھیں محبتوں کا ایک جہانِ دیگر نظر آتا۔ اعلیٰ حضرت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اعظم و اقدس سے جو والہانہ عشق تھا یہ اس کا وارفتہ اظہار ہے مگر ادب کے جملہ قرینوں کو ملحوظ بھی رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ محوِ گفتگو تو اللہ جل شانہٗ سے ہیں مگر موضوعِ گفتگو سرکار سیدُالابرار حضور احمدِ مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مولانا کوثر نیازی نے اعلیٰ حضرت کے ایک شعر سے بڑا خوبصورت نکتہ پیدا کیا ہے۔

"عاشق رسول وہ ہے جو یہ کہے کہ آخری وقت اس خدا کا نام میری زبان پر جاری ہو جو "خدائے محمد" ہے ؎

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خدائے محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اس میں بھی اعلیٰ حضرت ڈنڈی مار گئے "خدائے محمد" ایک بار کہا۔ محمد محمد دو بار کہہ گئے اور اس لئے بھی کہ خدا کے ساتھ توحید ہے وہ ایک ہی بار اور سرکار جو ہیں، جتنی دفعہ ان کا نام لیا جائے وہ لینا بہت ضروری ہے۔"[۴]

مولانا مرحوم ہو چکے ہیں۔ ان کی شخصیت کی بھی کئی جہتیں تھیں۔ مذکورہ بالا اقتباس مولانا کی تقریر سے لیا گیا ہے۔ دوران تقریر ان کا ذہن مزید اخذ و وضاحت نہ کر پایا ورنہ مصرع ثانی میں وہی کیفیت ہے جو مناجات میں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے تین بار محمد محمد کہا ہے دوبار خدا سے پہلے اور ایک بار خدا کے بعد اور جب خدا کا نام لیا ہے تو بھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کی نسبت سے لیا ہے۔ (خدائے محمد) کہا ہے۔ اور جس طرح کلمہ طیبہ میں (اللہ محمد) ساتھ ساتھ ہیں یہاں بھی اسی ترتیب سے ساتھ ساتھ لائے ہیں اور یہ اعلیٰ حضرت کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے محبت و شیفتگی کا واضح اظہار ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے

"مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ اسی لئے محبت ہے کہ وہ مصطفیٰ کا رب ہے"[۵] (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) ان کیفیات کو مدِ نظر رکھیں تو یہ مناجات بظاہر مناجات ہے، حقیقت میں نعتِ مصطفیٰ ہے پھر اس نعت میں عجیب التزام ہے پہلا مصرع میں خوف ہے۔ آلام ہیں۔ مصائب و شدائد کا ذکر ہے۔ اہوال و آفات کی بات ہے مگر دوسرا ان تمام اہوال و آلام و مصائب سے محفوظ و مصئون و مامون کر دیتا ہے۔ بشارتوں اور رحمتوں سے مملو ہے، محبوب کی محبتوں کی نوید بن کر آتا ہے۔

جناب شمس نے ایک مصرع میں ترمیم کر کے یوں بنایا ہے۔

یا الٰہی دامنِ اعمال جب کھلنے لگیں[۶]

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"فامامن اوتی کتبہ بیمینہ"

"تو وہ جو اپنا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا"[۷]

اور قیامت کے روز "نامۂ اعمال" کھلیں گے، دامنِ اعمال نہیں۔ (کتاب) کے معنی (نامہ) ہے دامن نہیں۔ مجازی نہیں لغوی معنوں میں استعمال چاہیے تھا اور یہی حدایقِ بخشش مطبوعہ حسنی پریس میں ہے ؎

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق، ستارِ خطا کا ساتھ ہو

نسخۂ شمس میں یوں درج ہے ؎

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

جب کہ حسنی پریس کے نسخہ میں شعر کی صورت اس طرح سے ہے۔

یا الٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِم کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو

(غمزدہ) اور (غمزدا) میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ (غم زدہ) اسم مفعول ہے جس کے معنی (غم کا مارا ہوا)۔ بہت زیادہ غمگین۔ اور (غم زدا۔ بکسرِ زا) اسم فاعل ہے۔ (غم بر۔ آرام بخش۔ آنچہ غم زواید۔ (آموز گار) یعنی جو آرام بخشنے والا ہو۔ غم کو دور کرنے والا ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"فمن تبع هدى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون"

"تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم"[8]

"یہ مومنینِ صالحین کے لئے بشارت ہے کہ نہ انھیں فزعِ اکبر کے وقت خوف ہو نہ آخرت میں غم وہ بے غم جنت میں داخل ہوں گے"[9]

قرآن مجید میں کئی اور مقامات پر مومنینِ صالحین کی مختلف صفات کے حوالے سے بتایا ہے کہ انھیں اس دن کوئی خوف یا حزن نہیں ہوگا۔ خود رضا فرماتے ہیں

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے،
کہ ہے ربِّ سَلِّم صدائے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم)

جب عام صالحین کی یہ کیفیت ہے تو کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان کروب سے مامون و مصئون نہیں؟ یقیناً ہیں۔ اور وہ بڑی طمانیت و سکون کے ساتھ دوسروں کی شفاعت و تسکین کا وسیلہ بن رہے ہوں گے۔

اس لئے جناب شمس کا ترمیمی لفظ (غمزدہ) درست نہیں یہاں (غمزدا) ہی درست ہے اور زمین شعر کا بھی یہی تقاضا تھا۔

نسخۂ شمس کے صفحہ ۹ سے نعتیہ کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ جنابِ شمس کو چونکہ ترتیب میں ادبیت کم نظر آتی تھی اس لئے اعلیٰ حضرت کی عربی حمد تلاش کر کے سر آغاز پر شامل کر دی ابتدا جس نعت سے کر رہے ہیں معروف اور زبان زد عام ہے اس کا مطلع ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دراصل ایک طویل نعت ہے جو "ذریعۂ قادریہ" کے تاریخی نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اعلیٰ حضرت نے اسے وسیلۂ جلیلہ کے طور پر کہا ہے۔ اس کے چار وصل ہیں۔

۱۔ وصلِ اول در نعتِ اکرم حضورِ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم
۲۔ وصل دوم در منقبتِ آقائے اکرم حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۔ وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴۔ وصل چہارم در منافحتِ اعدا واستعانت از آقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب شمس نے عنوان "ذریعۂ قادریہ" قائم رکھا اور نعت اس سے الگ کر کے یہاں درج کر دی اور باقی تین وصل جو مناقبِ سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انھیں الگ درج فرما دیا۔ اس طرح نہ تو عنوان کی مناسبت برقرار رہی اور نہ ہی کلام اصل مقام پر۔ حالانکہ جو شخص اعلیٰ حضرت کی سیرت و شخصیت سے معمولی سی بھی آگاہی رکھتا ہے۔ اسے علم ہے کہ اعلیٰ حضرت کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کس قدر محبت و عقیدت تھی۔ وہ فنافی الرسول تھے اور یہ وصف حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اولیائے امت کی نسبت سے سب سے زیادہ تھا۔ جلال و جمالِ محمدی علیہ التحیۃ والثناان کی ہر ادا میں جلوہ فگن تھا اور قادری ہونے کے ناتے سے بھی انھیں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے والہانہ عشق تھا۔ اور یہی عشق ذریعۂ قادریہ کی تخلیق کا موجب تھا۔ پھر وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ابتدائے کلام کسی اور نام سے کریں۔ حمد کا مقام درست ہے کہ پہلے ہونا چاہیے مگر ضروری نہیں۔ پھر حمد کا مقام و مرتبہ بھی تو عرفانِ نبوت کے توسل ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بات تو ہمارے معمولات میں شامل ہے کہ اوراد سے قبل بھی درود شریف پڑھتے ہیں اور آخر میں بھی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ بھی تو پہلے ان کے حضور

حاضر ہونے کا حکم دیتا ہے۔ ولو انھم۔۔۔الخ اس بات پر شاہد ہے

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

ہاں تو نے اون کو جان، اونھیں پھیر دی نماز — پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں — اصل الاصول بندگی اس پاک در کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے — حاشا غلط، غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے

شیخ فریدالدین عطار نے حمد میں ایک خوبصورت شعر کہا ہے

حمد بے حد مر خدائے پاک را [10]
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

"ڈاکٹر محمد ریاض فرماتے ہیں۔ منطق الطیر میں درج ذیل شعر حمدیہ ہے

حمد بے حد مر خدائے پاک را [11]
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

ڈاکٹر محمد ریاض بہت بڑے محقق ہیں اور ان کی تحقیقات مسلم۔ مگر یہ حوالہ دیتے وقت شاید انھوں نے اپنی یادداشت پر اعتماد کیا جو صحیح ثابت نہ ہو سکی۔

منطق الطیر کا پہلا شعر اسی زمین میں ہے لیکن اس سے مختلف ہے اس کی صورت یوں ہے

آفریں جاں آفریں جاں پاک را [12]
آں کہ جاں بخشید و ایماں خاک را

دراصل دونوں شعر (پند نامہ) اور (منطق الطیر) کا پہلا پہلا شعر ہیں حضرت اقبال نے تصرف کیا اور (خدا) کی جگہ (رسول) رکھ دیا اور شعر کو یوں بنا دیا۔

حمد بے حد مر رسولِ پاک را [13]
آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

حاصل کلام یہ کہ اقبال نے (خدا) کی جگہ لفظ (رسول) رکھ کر حمد کو (رسول) سے وابستہ کر دیا کہ اصل تعریف کے سزاوار رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ ایمان کا سرچشمہ وہ ہیں جن کی

بدولت ہم ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہیں

نسخہ شمس ص ۹

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے دریا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

مطبوعہ حسنی پریس بریلی

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

جناب شمس نے (قطرہ) کی بجائے (دریا) رکھ کر شعر کا سارا حسن اور معنویت برباد کر دی۔ خواجہ حیدر علی آتش نے کیا خوب کہا ہے ع

شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اور اعلیٰ حضرت کا یہ شعر اپنے حسن معنی کے ساتھ مرصع سازی کا نہایت نادر نمونہ ہے۔ دونوں مصرعوں میں الفاظ، دیکھیے کس طرح پے بہ پے مقفیٰ اور مسجع آئے ہیں۔

دھارے--- چلتے---- عطا----- قطرہ--- تیرا
تارے---- کھلتے---- سخا--- ذرہ---- تیرا

جب مصرع ثانی میں (ذرے) سے (تاروں کا کھلنا) آرہا ہے تو لامحالہ مصرع اولیٰ بھی اسی نہج پر آئے گا اور (قطرہ) ہی سے (دھاروں کا چلنا) لکھیں گے۔ پھر (قطرہ) اور (دھارا) تضاد معنوی (مصغر و مکبر کے باعث) کہ ایک قطرہ میں اس قدر وسعت کہ اس سے دھارے پھوٹ پڑیں اور یہ بارہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے دستِ معجز نما سے رونما ہو چکا اور اگر دریا سے دھارے چلیں تو یہ تو کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ پھر وہ تیسرے ہی شعر میں (دریا) کا قافیہ استعمال فرمارہے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے ہاں قافیہ کے تنگ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ بھی مسلسل ایک ہی قافیہ کا در آنا تو ویسے بھی فنی دسترس کے منافی ہے مگر ان کی معروف نظم جس میں بتکرار (اے شمع جمال مصطفائی) پورا مصرع لایا گیا ہے۔ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(صفحہ ۹) پر ہی جناب شمس نے ایک اور بڑے معروف شعر میں تحریف کی ہے۔ لکھا ہے

فرش والے تری رحمت کا علو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

نسخہ قدیم[۱۴] میں یہ شعر اس طرح سے درج ہے

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

(رحمت) مہربانی، نرمی، مزاج کی رقت آمیزی اور مشفقانہ رویوں کی طرف دلیل ہے (شوکت) کا لفظ اور پھر (خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا) مصرع ثانی شاہانہ جاہ و جلال کی سمت اشارہ ہے۔ (رحمت) کا لفظ (شوکت) کا نعم البدل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ اس کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ اس لئے (رحمت کا علو) نہیں (شوکت کا علو) ہی کہیں گے۔

(صفحہ ۱۰) پر جناب شمس نے شعر نمبر ۱۶ کا پہلا مصرع اس طرح سے دیا ہے ع

"خوار و بیمار، خطاوار، گنہگار ہوں میں"

نسخہ قدیم میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر یوں مندرج ہے ؎

خوار و بیمار و خطاوار و گنہگار ہوں میں

رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

جناب شمس کے مصرع کی قرأت و خواندگی میں دِقّت کا احساس ہوتا ہے۔ سلاست و روانی ناپید ہے۔ خوار و بیمار کے بعد سکتہ (،) پھر خطاوار کے بعد سکتہ (،) واقعتاً سکتہ کا باعث بنتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے مصرعِ اولیٰ میں واؤ عاطفہ کا التزام عمداً کیا گیا ہے۔ یہ (واؤ) تقطیع میں (ضمہ) کے طور پر پڑھی جاتی ہے، جو الفاظ کے تحرک میں ممد و معاون ہے۔ واؤ حذف کرنے سے وہ فصاحت و سلاست برقرار نہیں رہتی جو اس مصرع کی جان ہے۔ بہر کیف جنابِ شمس نے جہاں سکتہ (،) روا رکھا ہے وہ مقام حرفِ عطف کا ہے۔ دوسرے اس شعر میں لف و نشرِ مرتب کا اہتمام بھی ہے۔ اور اس کی ترتیب یوں ہے۔

خوار --- رافع، بیمار --- نافع، خطاوار و گنہگار --- شافع اور اگر مصرع علامہ شمس کے مطابق پڑھیں تو مطلب "غتر بود" ہو جاتا ہے انھوں نے خوار و بیمار کو رافع، خطاوار کو نافع اور گنہگار کو شافع

سے مربوط کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہاں ان الفاظ و اسما کی وضاحت ایک اور مقام پر اس طرح سے ملتی ہے۔

شافع نافع رافع دافع کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
شافعِ امت نافعِ خلقت رافع رتبہ بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی دفعِ بلا فرماتے یہ ہیں

نسخۂ شمس (صفحہ ۱۰) پر شعر نمبر ۲۳ کا پہلا مصرع اس طرح سے دیا گیا ہے ع

تیرے صدقہ ! مجھے اک بوند بہت ہے تیری

حسنی نسخہ میں مصرع کی صورت یوں تھی

تیرے صدقے ! مجھے اک بوند بہت ہے تیری

یہاں بھی جناب شمس کی اس ترمیم و تحریف کا کوئی جواز نہیں۔ تیرے صدقہ تو ویسے بھی قواعد کی رو سے غلط ہے۔ اس مقام پر ہائے مختفی، یائے مجہول میں تبدیل ہو جائے گی۔ "صدقے، صدقہ کی مغیرہ صورت ہے اور اس کے معنی یہاں عام روزمرہ ہے۔ میں آپ پر نثار" (اردو لغت۔ علمی)

تیرے صدقہ ـــــ بے معنی

صفحہ ۱۰ ہی پر شعر نمبر ۲۴ کا پہلا مصرع اس طرح دیا گیا ہے ع

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ

مصرع مذکور میں اگر (کیجئے) ہمزہ سے پڑھیں تو مصرع وزن سے خارج ہو جائے گا اور (کیجے) پڑھیں گے تو مصرع موزوں رہے گا اور یہی نسخۂ قدیم میں مرقوم ہے۔

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

مقالہ پروف ریڈنگ کے مرحلے میں تھا کہ مشفق و مکرم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا "انتخاب حدایق بخشش" سرہند پبلی کیشنز کی جانب سے نہایت دیدہ زیب انداز میں طباعت یافتہ، راقم کی نظر نواز ہوا۔ جناب صبور احمد صاحب کی طرف سے "ناقدانہ نظر" کی دعوت بھی منسلک تھی۔ خوشی ہمیں اس بات کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے اختتامیہ میں ہمارا ذکر فرما کر ہمیں بھی سرفرازی عطا فرمائی تھی۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ہمارے تبصراتی الفاظ و کلمات سے بہت بلند ہیں۔ ان کا کام کسی بھی شخص کی تحسین سے ماورا ہے۔ اس انتخاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

"حدایق بخشش ان کے اردو کلام کا بے مثال مجموعہ ہے، اس میں کچھ فارسی کلام بھی ہے۔ ماضی میں اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں مگر کوئی ایسا معیاری اور خوبصورت ایڈیشن نظر نہ آیا جو دنیائے ادب میں فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ حضرت رضا بریلوی کا کلام اس لائق ہے کہ عالمی سطح پر شناسان ادب کے سامنے پیش کیا جا سکے۔۔۔۔ ۱۹۹۳ء میں یہ خیال آیا کہ حدایق بخشش کا ایک معیاری نسخہ مدون کیا جائے اور ایک حسین و جمیل ایڈیشن شائع کر کے عالمی سطح پر پیش کیا جائے۔"[16]

چونکہ حضرت رضا بریلوی کے پورے کلام کی تدوین ایک دیر طلب کام تھا اس لئے خیال آیا کہ سر دست حدایق بخشش کے مطبوعہ نسخوں سے نعتیں، قصیدے اور رباعیاں منتخب کر کے ایک معیاری انتخاب تیار کیا جائے اور اس کو دلکش انداز میں شائع کر کے فوری طور پر عالمی سطح پر پھیلایا جائے۔ استاذ محترم اور پاکستان کے مشہور محقق اور اداشناسِ ادب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب (سابق صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ) سے اس منصوبہ کی نگرانی کے لئے عرض کیا گیا تو کلام رضا کے لئے فرمایا کہ "یہ تو انتخاب ہے" ۔۔۔۔ بہر حال اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے راقم نے قلم اٹھایا اور نومبر ۱۹۹۳ء میں یہ انتخاب مرتب ہو گیا۔۔۔ اس انتخاب کے لئے بریلی شریف کے قدیم نسخے سامنے رکھے گئے تاکہ غلطیوں کا زیادہ احتمال نہ رہے۔"[17]

خیال تھا کہ پروفیسر صاحب کی نگرانی میں یہ نسخہ بڑی احتیاط سے مدون ہو گا اور۔۔۔ اور بازاری نسخوں کی طرح بعض نادانستہ اور شعوری اغلاط سے پر نہیں ہو گا۔ مگر حضرت مسعود نے بھی اختلافی مقامات پر زیادہ تر جناب شمس کی مرتبہ حدایق بخشش کی طرف رجوع فرمایا ہے۔ چونکہ یہ مقالہ "قصیدہ سلامیہ" سے متعلق ہے اس لئے ہم انتخاب حدایق بخشش میں سے صرف "انتخاب سلام" پر ہی توجہ مرکوز رکھیں گے۔

۱۔ جہاں تک "قصیدہ سلامیہ" کے انتخاب کا تعلق ہے، یہ ایک امر محال ہے، اس لئے کہ اس کا ایک ایک شعر حاصل کلام ہے۔ بذات خود انتخاب ہے۔ اس لئے اگر آپ کسی ایک شعر کو خارج از انتخاب کرتے ہیں تو وہ خلا بری طرح کھٹکتا ہے۔ اور یہ بات ڈاکٹر صاحب کے انتخاب سے ظاہر و باہر ہے۔ خاص طور پر آخر کے اشعار میں زبردست خلا محسوس ہوتا ہے۔

۲۔اعراب میں تساہل برتا گیا ہے۔ ویسے تو کاتب حضرات بھی کچھ کم نہیں ہوتے وہ بعض اوقات محض خوبصورتی کے لئے زیر و زبر کر دیتے ہیں تاہم حضرات مصنفین کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ ان اعراب میں محتاط رہیں جہاں کلام کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے دوسرے شعر میں مصرع اول اگر کاتب نہیں تو ڈاکٹر صاحب نے ترمیم کا ہدف بنایا ہے "مِہرِ چرخِ نبوت" کو مُہرِ چرخِ نبوت" لکھا گیا ہے۔ جب کہ "چرخِ نبوت" کے ساتھ "مِہر" ہو سکتا ہے۔ (مُہر) نہیں۔

۳۔ صفحہ ۲۳۹ پر شعر نمبر ۵ کا پہلا مصرع اُس طرح سے دیا ہے۔

"لخت لخت دل، ہر جگر چاک سے"

اگر (لختِ لختِ دل) کے بعد سکتہ (،) پڑھا جائے تو مصرع وزن سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور (لخت لخت دل) کا ٹکڑا شعر سے الگ تھلگ ہو کر بے معنی ہو جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی ترمیم ہے۔ شمس نے "لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے" ہی رکھا تھا اور یہی نسخۂ بریلی میں تھا۔ نہ جانے ڈاکٹر صاحب نے کس کے مشورہ پر اس کو ترمیم کا نشانہ بنایا۔

۴۔ صفحہ ۲۴۲ پر تیسرا شعر ہے

جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں

اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

یہ عجیب ترمیم ہے۔ اعلیٰ حضرت "تبسم کی عادت" پر لاکھوں سلام بھیج رہے ہیں اور "تبسم" ہی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اس کے سبب سے روتے ہوؤں کو تسکین ملتی ہے اور وہ ہر دکھ بھول جاتے ہیں انتہائی الم ناک کیفیت میں بھی مسکرانے لگتے ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تبسم سے ہر طرح کا صعب دور ہو جاتا ہے۔

۵۔ صفحہ ۲۴۲ پر چھٹا شعر ہے جس کو ہر مرتب نے حسبِ فہم تحریف کے قابل سمجھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس پر چشمِ کرم کی ہے۔ انھوں نے شعر کے مصرعِ اولیٰ کو یوں بنا دیا ہے

"حجر اسود ، کعبہ جان و دل"

اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کے دیے ہوئے مصرع کو درست گردان لیں تو مصرع وزن سے خارج ہے اور جو سکتہ دیا ہے اس سے واقعتاً مصرع کو سکتہ ہو گیا ہے۔

۶۔ صفحہ ۲۴۶ پر دوسرا شعر یوں دیا ہے۔

"شور تکبیر سے تھرتھرائی زمیں جنبشِ جیش نصرت پہ لاکھوں سلام"

"تھرتھرائی زمیں" ماضی کے کسی ایک واقعہ کی طرف اشارہ بنتا ہے۔ جب کہ یہاں فعل حالیہ کا تقاضا ہے اور اس لحاظ سے "تھرتھراتی زمیں" ہی درست ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں جناب شمس کا تتبع کیا ہے۔

۷۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اِس عہد کے طرزِ املا کو اختیار کیا ہے جب کہ حدایق بخشش آج سے قریب قریب سو سال بیشتر کا کلام ہے۔ ہمارے خیال میں اس روش کو اب ختم ہونا چاہیے۔ ناشرینِ کلامِ رضا اور مرتبینِ کلامِ رضا کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے اور اعلیٰ حضرت کی کتب شائع کرتے وقت ان کے طرزِ املا ہی کو برقرار رکھنا چاہیے اور حاشیہ پر موجودہ عہد کا املا دینا چاہیے۔

ہم انھی نعتوں کے جائزہ پر اکتفا کرتے ہوئے بات کو ختم کرتے ہیں۔ اس طویل مقالہ میں بعض دو چار بہت سخت مقام آئے ہیں مگر حقایق کو منظرِ عام پر لانے کے لئے ضروری تھا کہ اس پُر خار وادی میں قدم رکھا جائے۔ سفر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ہم ان سایہ دار اشجار کے ممنون ہیں جو اس کڑی دھوپ میں سکون کا باعث ہوئے۔

تمت بالخیر

خدائے مہر و محبت پہ ہے یقین مرا
اسی کے در پہ بکھرتا ہوں، جب بکھرتا ہوں
رسول ختمی نبوت پہ ہے مرا ایماں
یہی مقام ہے جس پر میں آ ٹھہرتا ہوں
کچھ اور عالم کیف و خمار ہوتا ہے
رسولِ پاکؐ کی یادوں میں جب اُترتا ہوں
درود پڑھتا ہوں اور اس کے فیض سے کبھی
غبارِ نور میں ڈوبا ہوا اُبھرتا ہوں

حوالہ جات

۱۔ مکتوب بنام راقم ITR-06/95 ادارہ تحقیقات رضا کراچی محررہ ۶ شعبان ۱۴۱۵ھ

۲۔ معارف رضا شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء، ص ۹۷ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

۳۔ مکتوب راقم بنام ڈاکٹر مجید اللہ قادری محررہ ۲۲ جنوری ۱۹۹۵ (فوٹو سٹیٹ کاپی)

۴۔ کنز الایمان، ماہنامہ، ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۸ لاہور

۵۔ چالیس ارشادات امام ربانی، ص ۵ مرکزی مجلس رضا لاہور بار چہارم ۱۴۰۴ھ

۶۔ حدایق بخشش، ص ۷، مرتبہ شمس بریلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی ۱۹۷۶

۷۔ القرآن، ص ۹۰۶، ۹۴۲ تاج کمپنی مترجم مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی

۸۔ القرآن، ص ۱۱ ایڈیشن مذکور

۹۔ تفسیری حاشیہ القرآن، ص ۱۲ ایڈیشن مذکور

۱۰۔ پندنامہ، شیخ فرید الدین عطار، ص ۵ ملک برادرز لائلپور

۱۱۔ اقبال اور فارسی شعرا، ص ۸۳، محمد ریاض، ڈاکٹر، اقبال اکادمی پاکستان لاہور

۱۲۔ منطق الطیر، عطار، شیخ فرید الدین، ص ۲ شیخ مبارک علی، لاہور

۱۳۔ کلیات اقبال، فارسی، ص ۸۳۶ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

۱۴۔ حدایق بخشش مطبوعہ حسنی پریس بریلی

۱۵۔ الاستمداد علی اجیال الارتداد، ص ۴، مطبع اہلسنت و جماعت واقع بریلی

16۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، انتخاب حدایق بخشش ص ۳۰۴، سرہند پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۵ء

17۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، انتخاب حدایق بخشش ص ۳۰۶ سرہند پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۵ء

کتابیات

القرآن

۱- القرآن الحکیم
۲- کنزالایمان ترجمہ قرآن- مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی، ضیاءالقرآن پبلی کیشنز (۱۶۱) لاہور
۳- رفیع الشان مترجم قرآن عظیم- اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی، تاج کمپنی لمیٹڈ
۴- تفسیر القرآن جلد اول- ابن عربی، حضرت شیخ محی الدین، قدس سرہ العزیز، انتشارات ناصر خسرو، طہران، ایران
۵- تفسیر مظہری- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حضرت، مترجم عبدالدائم الجلالی- ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۶- تفسیری حواشی بر کنزالایمان- مولانا نعیم الدین مراد آبادی- ضیاءالقرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ
۷- قرآن مجید کے فنی محاسن، ترجمہ التصویر الفنی فی القرآن، سید قطب، مترجم غلام احمد حریری، فیصل اسلامک سنٹر فیصل آباد-

الحدیث

۱- صحیح بخاری- امام محمد بن اسماعیل البخاری
۲- ترجمہ صحیح بخاری- جلد اول، کتاب المناسک- مترجم اختر شاہجہانپوری، فرید بک سٹال لاہور
۳- ترجمہ صحیح بخاری- جلد دوم مترجم اختر شاہجہانپوری، فرید بکسٹال لاہور
۴- شمائل ترمذی- امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی صاحب الجامع الصحیح
۵- ترجمہ شمائل ترمذی- محمد لاری- مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۹ھ
۶- مشکوٰۃ المصابیح- ولی الدین محمد بن عبداللہ بن الخطیب تبریزی- مطبع فاروقی دہلی ۱۳۰۷ھ
۷- مظاہر حق- جلد دوم- قطب الدین خاں، دہلوی- نولکشور لکھنو

سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

۱- سیرت رسول عربی- نور بخش، توکلی- تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۲- مراۃ الانساب- ضیاءالدین علوی، امروہوی- مطبع رحیمی جے پور انڈیا ۱۹۱۷ء
۳- معارج النبوت جلد دوم معین واعظ کاشفی الہروی مترجم اصغر و اقبال فاروقی- مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۱ء
۴- معارج النبوت جلد سوم، معین واعظ شفی الہروی مترجم اصغر و اقبال فاروقی- مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۱ء
۵- مدارج النبوت- جلد دوم- عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شیخ، مطبع نولکشور لکھنو
۶- ترجمان السنہ- بدر عالم، مولانا، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۶۵ء
۷- الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ- جلد اول مترجم غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۸- حیات رسالت مآب- راجہ محمد شریف- زاہد اکیڈمی جوہر آباد
۹- رحمۃ للعالمین- جلد اول، سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۱۰- نبی رحمت- علی ندوی، ابوالحسن، مجلس نشریات اسلام کراچی
۱۱- سیرت النبی- ابن ہشام مترجم مہر و جلیل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۱۲- سیرت النبی- شبلی نعمانی، الفیصل اردو بازار لاہور
۱۳- سیرت محبوب رب الجلیل- مفتی عبدالعزیز مزنگوی- ملک غلام محمد تاجر کتب لاہور
۱۴- سیرت سرور دو عالم- مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

فقہ و تصوف و فلسفہ

۱- نور الهدایہ ترجمہ شرح وقایہ- وحید الزماں، مولوی، مطبع رزاقی کانپور شوال ۱۳۲۵ء
۲- سردلبراں- محمد ذوقی، سید، اجمیر شریف- بار اول
۳- اصطلاحات صوفیہ- محمد عبدالصمد، شاہ- مکہ بکس لاہور
۴- رسالہ قشیریہ- عبدالکریم بن ہوازن قشیری، ابوالقاسم، امام، دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر ۱۳۳۰ھ
۵- ترجمہ رسالہ قشیریہ- محمد حسن، پیر، ڈاکٹر- ادارہ تحقیقات اسلامی- اسلام آباد بار دوم ۱۹۸۸ء
۶- کشف المحجوب، علی بن عثمان ہجویری، حضرت داتا گنج بخش، اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۲۳ء
۷- مفتاح الوصول بفیض الرسول- محمد عظیم، حکیم، فاروقی القادری، غیر مطبوعہ مملوکہ کعبی
۸- شجرۃ الکون- ابن عربی، حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ، مترجم صوفی محمد صدیق بیگ علی برادران فیصل آباد ۱۹۸۵ء
۹- اقبال کے محبوب صوفیہ- قدوسی، اعجاز الحق، اقبال اکاڈمی پاکستان لاہور طبع دوم ۱۹۸۲
۱۰- عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت، مترجم شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی جنوری ۱۹۸۹ء
۱۱- مشاہدات و معارف ترجمہ فیوض الحرمین، غلام سرور، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور- ۱۹۴۷
۱۲- زبدۃ الآثار، شیخ عبدالحق، محدث دہلوی، مترجم اقبال فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور بار سوم ۱۴۱۰ھ
۱۳- انفاس العارفین- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم فاروق القادری، المعارف لاہور بار اول ۱۳۹۴ء
۱۴- حدایق الحنفیہ، فقیر محمد جہلمی، مولوی، نولکشور پریس لکھنو بار سوم اکتوبر ۱۹۰۶ء
۱۵- تصوف اور سریت، لطیف اللہ، پروفیسر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء
۱۶- فتوحات مکیہ، جلد اول، شیخ محی الدین ابن عربی مترجم- صائم چشتی، علی برادران، فیصل آباد ۱۹۸۶ء
۱۷- علامہ اقبال اور تصوف، فاضل، عبدالرشید، ادارہ تنویرات علم و ادب کراچی ۱۹۶۷ء
۱۸- مقالات جلالپوری، علی عباس جلالپوری- آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۹ء

تذکرہ و تاریخ و سیر

۱- الشیخان، طٰہٰ حسین، مترجم شاہ حسن عطا- نفیس اکیڈمی کراچی- سن ندارد
۲- تذکرۃ الواعظین، محمد جعفر حسنی مترجم ظہیر احمد شاہ، تاجران قومی کتب لاہور ۱۹۰۷

۳۔ تاریخ المدینہ المنورہ، عبدالمعبود، مکتبہ رحمانیہ لاہور
۴۔ تاریخ اسلام جلد سوم اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، نفیس اکیڈمی کراچی طبع یازدہم ۱۹۸۴ء
۵۔ حجج الکرامہ فی آثار القیامہ، صدیق حسن خاں، نواب، مطبع شاہجہانی بلدہ بھوپال۔ ۱۲۹۱ھ
۶۔ حیات جاوید، حالی، مولانا الطاف حسین، آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۶ء
۷۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، محمد مسعود احمد، ڈاکٹر پروفیسر، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ بار اول 1981
۹۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولی، مقدمہ و اختتامیہ، ابوالحسن زید فاروقی، شاہ، شاہ ابوالخیر اکاڈمی دہلی ۱۹۸۹ء
۱۰۔ سید احمد بریلوی کے فسانہ جہاد کی حقیقت۔ نور محمد قادری، مرکزی مجلس رضا لاہور
۱۱۔ فضل حق اور سن ستاون، محمد احمد برکاتی، حکیم، برکات اکیڈمی کراچی مئی ۱۹۸۷ء
۱۲۔ رہبر و رہنما، محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، پروفیسر۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی بار سوم ۱۹۸۷

سیاست و ثقافت

۱۔ پاکستان کا پس منظر و پیش منظر، عبدالرشید، میاں، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۸۵ء
۲۔ تنظیم قائد عظیم تحریک۔ ولی مظہر ایڈوکیٹ۔ شعبہ نشر و اشاعت شہری مسلم لیگ ملتان ۱۹۸۳ء
۳۔ مسلم ثقافت ہندوستان میں۔ سالک، عبدالمجید، ادارہ ثقافت اسلامیہ طبع سوم ۱۹۸۳ء

شاعری

۱۔ انتخاب قصائد قآنی، مقدمہ کے ایم متراحواشی عندلیب شادانی۔ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور
۲۔ انتخاب قصائد قآنی، آقا بیدار بخت۔ پنجاب یونیورسٹی پریس جنوری ۱۹۵۴ء
۳۔ نقوش رسول نمبر، جلد دہم شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء
۴۔ دیوان حکیم قآنی شیرازی، موسسہ چاپ انتشارات امیر کبیر۔ ایران
۵۔ حدایق بخشش، مرتبہ شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶ء
۶۔ خوان رحمت، بشیر حسین ناظم، مرکزی مجلس رضا لاہور
۷۔ قصائد حسان، قاری محمد عارف، فیوض الرحمان، پاکستان بک سنٹر لاہور
۸۔ بانگ درا، محمد اقبال، علامہ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور بست و ہشتم ۱۹۷۱ء
۹۔ دیوان شہیدی۔ کرامت اللہ، مولوی، نولکشور لکھنو بار چہارم ۱۹۱۳ء
۱۰۔ حدایق بخشش سوم۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ مطبوعہ پیلی بھیت انڈیا (فوٹو سٹیٹ کاپی)
۱۱۔ تضمین بر سلام رضا۔ اختر الحامدی۔ عید میلاد النبی سے منسلک تضمین۔ مکتبہ فریدیہ ساہی وال
۱۲۔ حدایق بخشش حصہ دوم۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ حسنی پریس بریلی
۱۳۔ کلیات اقبال، فارسی، محمد اقبال، علامہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء
۱۴۔ اطیب النغم، شاہ ولی اللہ دہلوی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۸۵ء
۱۵۔ قصیدۃ البردہ: بوصیری، امام، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ۔ ۱۹۷۸ء

۱۶- کلیات غالب (غزلیات فارسی) تحقیقی ایڈیشن مرتبہ وزیر الحسن عابدی، مکتبہ میری لائبریری لاہور بار اول ۱۹۶۹ء

۱۷- جان رحمت، عبدالغنی سالک، محلہ قصبہ لالہ موسیٰ گجرات

۱۸- باران رحمت، طارق سلطانپوری، فوٹو سٹیٹ کاپی (غیر مطبوعہ)

۱۹- دیوان، خواجہ حافظ شیرازی، مطبع مجیدی کانپور۔ سن ندارد

۲۰- قصائد عرفی، حصہ غزلیات (رباعیات) عرفی شیرازی۔ جمال الدین، نولکشور لکھنو

۲۱- حدایق بخشش، حصہ اول مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور

۲۲- پند نامہ، عطار، شیخ، ملک برادرز لائلپور

۲۳- منطق الطیر، عطار، شیخ، مبارک علی لاہور

۲۴- حدایق بخشش، حصہ دوم۔ رفاہ عام پریس آگرہ

۲۵- حدایق بخشش، حصہ دوم۔ فرید بکسٹال لاہور

۲۶- دیوان غالب۔ نسخہ حمیدیہ۔ مرتبہ حمید احمد خاں مجلس ترقی ادب لاہور

۲۷- قصیدہ بانت سعاد۔ کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ادب منزل کراچی ۱۳۹۴ھ

۲۸ دیوان غزلیات، نظیری نیشاپوری، محمد حسین، ناشر شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب لاہور

تحقیق و تنقید

۱- ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خاں۔ الفیصل اردو بازار لاہور اکتوبر ۱۹۸۹ء

۲- پنجابی ادب دی کہانی، عبدالغفور قریشی۔ عزیز بک ڈپو لاہور نومبر ۱۹۷۶ء

۳- اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، شمیم احمد، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۳ء

۴- نقد و نظر، حامد حسن قادری، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۶ء

۵- نئی تحریریں۔ (۳) حلقہ ارباب ذوق لاہور

۶- تنقیدی مضامین، عابد علی عابد۔ مکتبہ میری لائبریری لاہور

۷- اسلوب، عابد علی عابد۔ مجلس ترقی ادب لاہور

۸- نکات سخن، حسرت موہانی، مولانا۔ طبع ششم، انتظامی پریس حیدر آباد

۹- اقبال اور فارسی شعرا، محمد ریاض، ڈاکٹر۔ اقبال اکاڈمی پاکستان لاہور طبع اول ۱۹۷۷ء

۱۰- دیں ہمہ اوست، (پیشوائی) حفیظ تائب فوٹو سٹیٹ کاپی

۱۱- اقبال کے صنائع بدائع، نذیر احمد، پروفیسر، آئینہ ادب لاہور، بار اول ۱۹۶۶ء

مناظراتی ادب

۱- الاستمداد علی اجیال الارتداد، مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی، اعلیٰ حضرت، مطبع اہلسنت و جماعت واقع بریلی، بار اول

۲- کاشف کید الثعلب فی ایمان ابی طالب، اللہ دتا، صوفی، ادارہ اشاعت الاسلام وسن پورہ لاہور

۳- مذاہب الاسلام، نجم الغنی رامپوری، مولوی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء

۴- فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلی

۵- مسیح موعود اور ختم نبوت- محمد علی، مولوی، لاہوری، احمدیہ بلڈنگس لاہور ۱۹۲۶ء
۶- انوار رضا- ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۶

شروح و تراجم

۱- قصائد حسان- قاری محمد عارف و فیوض الرحمان، پاکستان بک سنٹر لاہور
۲- روح المطالب فی شرح دیوان غالب- شاداں بلگرامی شیخ مبارک علی، ناشر و تاجر کتب لاہور اشاعت اول دسمبر ۱۹۶۷ء
۳- نوائے سروش- مہر، غلام رسول، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۴- شرح سلام رضا- محمد خاں قادری، مفتی، مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور بار دوم ۱۹۹۴ء
۵- شرح قصیدہ بانت سعاد- فضل احمد عارف، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱۳۹۴ھ
۶- شرح و ترجمہ الطیب النغم- محمد کرم شاہ الازہری- ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۵ء
۷- طیب الوردہ علی قصیدۃ البردہ، شرح، ابو الحسنات، سید محمد احمد قادری مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ طبع سوم ۱۹۷۸ء
۸ المعلقات السبع- شرح، سلفی، محمد اسماعیل- دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان الطبعتہ الاولیٰ- رجب ۱۳۹۹ء

صرف، نحو، قواعد و عروض

۱- جامع القواعد- (حصہ صرف) ابو اللیث صدیقی- ڈاکٹر- مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۱ء
۲- جامع القواعد (حصہ نحو) غلام مصطفی، ڈاکٹر، مرکزی اردو بورڈ لاہور جنوری ۱۹۷۳ء
۳- شرح مأتہ عامل- جمال گھوٹوی، حافظ محمد، کتب خانہ اسلامیہ ملتان ۱۳۳۳ھ
۴- میزان سخن- حمید عظیم آبادی، شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی بار اول ۱۹۸۶ء
۵- قواعد العروض- قدر بلگرامی، غلام حسنین، مقبول اکیڈمی لاہور
۶- تاج المصادر- بیہقی- علی المقری، ابو جعفر- مطبع نامی لکھنو جنوری ۱۸۹۳

لغت و انسائیکلو پیڈیا

۱- دائرہ معارف اسلامیہ- دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۲ء
۲- اسلامی انسائیکلو پیڈیا- قاسم محمود، سید- شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی
۳- الاعلام- خیر الدین زرکلی، علامہ، دار العلوم للملایین بیروت الطبعہ سابعہ ۱۹۷۶
۴- کشاف تنقیدی اصطلاحات- حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد جولائی ۱۹۸۵ء
۵- تاج العروس شرح قاموس، علامہ سید مرتضیٰ، بلگرامی، ثم الزبیدی، (عربی)
۶- صراح- (عربی) جمال قریشی- ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد، مطبع نولکشور لکھنو ۱۸۸۸ء
۷- منتخب اللغات (فارسی)، عبد الرشید الحسینی- مطبع انوار محمدی لکھنو
۸- غیاث اللغات (فارسی)، غیاث الدین، محمد ۱۲۴۳ھ مطبع انوار محمد لکھنو
۹- فرہنگ آموزگا- (فارسی) حبیب اللہ آموزگار- کانون معرفت- تہران- ایران چاپ دوم ۱۳۳۲ھ
۱۰- فیروز اللغات (عربی) فیروز سنز لاہور

۱۱ - نوراللغات- (اردو)- نورالحسن، مولوی- مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء
۱۲ - جدید نسیم اللغات (اردو) نسیم امروہوی- شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۹ء
۱۳ - علمی اردو لغت- (اردو)- وارث سرہندی- علمی کتاب خانہ لاہور ۱۹۸۳ء
۱۴ - فرہنگ عامرہ- (فارسی اردو)- خویشگی- عبداللہ خاں- ٹائمز پریس کراچی ۱۹۳۷ء
۱۵ - اردو مترادفات- دانش، احسان، مرکزی اردو بورڈ لاہور
۱۶ - مدار الافاضل- (فارسی)- اللہ داد فیضی سرہندی- پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور ۱۹۵۹ء
۱۷ - لغات کشوری- (فارسی اردو)- مولوی تصدق حسین، نولکشور لکھنو (انیسویں بار)
۱۸ - جامع اللغات (اردو) خواجہ عبدالمجید بی اے- جامع اللغات کمپنی لاہور جنوری ۱۹۳۵ء
19 لغات القرآن- پرویز، غلام احمد- ادارہ طلوع اسلام- لاہور دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۴ء
۲۰ القاموس الفرید، وحید الزمان کیرانوی- صابری دارالکتب، اردو بازار لاہور ۱۹۹۰ء

ملفوظات و مکتوبات

۱ - مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی- محمود احمد قادری، مکتبہ نبویہ لاہور جنوری ۱۹۸۶ء
۲ - ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول- مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳ - مکتوب ڈاکٹر مجید اللہ قادری بنام کعبی
۴ - مکتوب کعبی بنام ڈاکٹر مجید اللہ قادری
۵ - چالیس ارشادات امام ربانی- مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۴ھ

اخبار و رسائل

۱ - روزنامہ جنگ- لاہور ۳- اکتوبر ۱۹۹۰ء
۲ - سیرت طیبہ، سہ ماہی، کراچی، جلد ۳، شمارہ ۱۲، فروری اپریل ۱۹۹۴ء
۳ - جہان رضا، ماہنامہ، لاہور، جلد ۱، شمارہ ۱۰، جنوری ۱۹۹۲ء
۴ - نعت، ماہنامہ، لاہور، مارچ ۱۹۹۴ء
۵ - صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، شمارہ ۱۷، اکتوبر ۱۹۶۱ء
۶ - تصوف، سہ ماہی، کراچی، جنوری، مارچ ۱۹۹۴ء
۷ - ضیائے حرم، ماہنامہ، لاہور، جنوری ۱۹۸۳ء
۸ - جہان رضا، ماہنامہ، لاہور، ستمبر ۱۹۹۱ء
۹ - القول السدید- ماہنامہ، جلد ۴، شمارہ ۲، ستمبر ۱۹۹۴ء
۱۰ - جہان رضا- ماہنامہ، لاہور، مارچ ۱۹۹۴ء
۱۱ - نعت- ماہنامہ- لاہور- اکتوبر ۱۹۹۲ء
۱۲ - انوار لاثانی- ماہنامہ- لاہور، مارچ ۱۹۹۱ء
۱۳ - معارف رضا- شمارہ ہشتم، ۱۹۸۸ء، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
۱۴ - کنزالایمان- ماہنامہ، لاہور، ستمبر ۱۹۹۲ء

تاریخ طباعت

"کاشفِ اسرارِ سلامِ رضا"

۱۹۹۵ء

"سعیِ برادرِ عزیز پروفیسر منیر الحق کعبی بہل پوری"

۱۹۹۵ء

O

کھلے ہیں بہر سو گلستانِ بخشش ۔۔۔ سخن گوئی کی جان ، نامِ رضا ہے
محاسن سے مملو ہیں اشعار سارے ۔۔۔ معائب سے خالی کلامِ رضا ہے
شریعت کے احکام کا ہے یہ مظہر ۔۔۔ عقیدت کا مخزن پیامِ رضا ہے
ہر اک اہلِ دل ، ان کا والہ و شیدا ۔۔۔ ہر اک اہلِ ایماں ، غلامِ رضا ہے
اڑاتے گا جو دھول ، اس پر پڑے گی ۔۔۔ فلک سے بھی اونچا مقامِ رضا ہے
ہوتے سرخرو دین و دنیا میں کعبی ۔۔۔ دیا ہم کو بھر بھر کے جامِ رضا ہے

ہوا مجھ سے مہجور ہاتف مخاطب
کہو "والا گوہر سلامِ رضا ہے"

۱۴۱۶ھ

رشحاتِ فکر
سید عارف محمود مہجور رضوی

ساقی بیا کہ عشق ندا می کند بلند
آنکس کہ گفت قصۂ ما، ہم زِ ما شنید

ادب ہو یا زندگی، بعض اوقات ایسے بھی مقامات درپیش آتے ہیں کہ خود اپنی ہی نوکِ قلم سے انکشافات کی صلیب پہنے، سرِدار انا الحق کی صدائے بازگشت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا؟ ایک شرارِ فسردہ، جو آفاق کی منظریت سے لمس گیر ہو کر، انفس کی سنسان وسعتوں میں دامان آرزو کو جلا کر، کبھی الاؤ کی صورت پذیری بخشتا ہے اور کبھی خاکِ تیرہ میں مدفون کر دیتا ہے۔

یہ چند ایک حقائق جو مجھے صفحہ قرطاس کے سپرد کرنے پڑے، ناگزیر تھے کہ اس کے بغیر میرا تعارف نہ ہو پاتا۔

علمی، ادبی اور تہذیبی مراکز سے دور ---- بہت دور ---- گجرات کے ایک دور افتادہ گاؤں ---- جب گجرات کا نام و نشان بھی وجود پذیر نہ ہوا تھا --- جلالپور جٹاں کے مضافات میں ---- کہ جلالپور بھی ابھی اس خطہ ارضی پر نمودار نہیں تھا، رام چندر جی کے بیٹے "بہل" کا آباد کردہ ---- بہل پور ---- ہے۔ آج یہ گاؤں مضافاتِ جلالپور جٹاں کے حوالے سے احاطہ علم میں آتا ہے ---- مگر کسی دور میں، آثار و قرائن جو شواہد مہیا کرتے ہیں ---- ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت بڑا علمی و تہذیبی مرکز رہا ہو گا۔ قلعہ، جو اب محض ایک معمولی سے ٹیلے کی شکل میں باقی ہے ---- بہت اونچا تھا اور جس پر چڑھنا نہایت دشوار تھا۔ جہاں آج ایک صوفی سید کی تربت موجود ہے جو تیرھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ تربت اس وقت کی یادگار ہے جب یہاں قلعہ ختم ہو چکا تھا اور محض ایک اونچا "ٹبہ" رہ گیا تھا۔ اس پر "پھرواں" کے درخت ہیں۔ قلعہ اور اس کے نواح کی کھدائی سے یہ بات پایہ یقین کو پہنچ سکتی ہے کہ اس کا سلسلہ بھی قدیم تہذیبوں سے منسلک ہے۔ اس کی آباد اقوامِ کہن بارہا سیلاب بلا کی نذر ہوئیں، جس کا ثبوت اس کے چاروں طرف پھیلے بلند و بالا ٹیلے اور ریگزار تھے جو وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہموار زمینوں میں مبدل ہوتے جا رہے ہیں۔ دریائے چناب نے بار بار اپنی گزرگاہ کو تبدیل کیا اور دائیں بائیں اپنے ساحلی دیہات کو ویران و آباد ہونے پر مجبور کرتا رہا۔ آج کی قدیم ترین اقوام بھی ہزار سال سے زیادہ قدیم نہیں۔ جن میں تھندیل، نانگرے،

وغیرہ نام اس خطے پر ہندو تہذیب کے تسلط کو واضح کرتے ہیں۔ اور پھر دیندار (جو قبل از اسلام سہنسی کے نام سے پکارے جاتے)۔ اسلام کے اثرات کب اور کس کے طفیل اول اول یہاں پہنچے؟ یہ کہنا تو مشکل ہے مگر قادری خاندان کے ایک چشم و چراغ، حضرت سید محمد مقیم الدین قدس سرہ، جو سیدنا شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاف و احفاد میں سے تھے، کی قبر، جس پر اب گنبد بن چکا ہے، موجود ہے جو قدیم ترین آثار میں سے محفوظ تھی۔ حضرت سید شاہ محمد مقیم الدین قدس سرہ بڑے جاہ و جلال اور عظمت و شان کے مالک تھے، والد اپنے کشف کی بنا پر فرمایا کرتے تھے "کہ میں نے انہیں (حضرت شاہ مقیم صاحب قدس سرہ کو) اس حال میں دیکھا کہ ان کے پورے جسم سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں" یہ آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمارا خاندان کوئی دو سو سال قبل چانگانوالی اور بہل پور میں آباد ہوا۔۔۔ پیشتر ازیں بابا نصیب الدین غازی کے عہد میں پشاور سے کشمیر وارد ہوا لیکن کشمیر سے کب اور کن حالات میں نکلنا پڑا علم نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ میر زمان اللہ قدس سرہ جو پشاور سے کشمیر آئے تھے ان میں اور عطار اللہ رحمۃ اللہ علیہ برادر عزیز اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں تین واسطے ہیں۔ خاندانی شجرہ نسب (جو جامع الدوائر مصنفہ ملا حسین البشاوری المعروف شاہ نور بخش سے نقل کر کے پیر شاہ محمد نے اس خاندان کے حوالے کیا تھا اور اس پر ان کے دستخط ثبت ہیں) کے مطابق یہ سلسلہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ سے ہوتا ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

میر عطار اللہ علیہ الرحمۃ نے چانگانوالی اور میر عزیز اللہ علیہ الرحمۃ نے بہل پور میں قیام فرمایا۔ عزیز اللہ کو زمین سے دریافت شدہ خزانہ، عطیہ خداوندی تھا مگر اس مرد درویش نے اپنا گھر بنانے کی بجائے مسجد کی بنیاد رکھی اور مسجد سے ملحق عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر پہلے کنوئیں کی تعمیر عمل میں آئی۔ محمد محکم الدین بہل پوری نے یہ تاریخ کہی

خدا بخشد عزیزی را جزائی ۔ کہ محکم تر کند دیں را بنائی
بچاہِ گور چوں یوسف عزیز است ۔ کہ در سرِ وے چنیں عقل و تمیز است
خصوصاً مسجد عالی مقامی ۔ بنا سازو برائے نفع عامی
عزیز اللہ ، مردے ، عرف میرے ۔ ز فضلِ حق شد او را دستگیرے
نگنجے ناپدیدش دست افتاد ۔ خیالِ چاہ و مسجد ہم درافتاد
عزیز اللہ نگنجے دست یاب است ۔ چنیں گنجے کہ از وے فتح باب است

بسیزدہ صد از ہجری معظم ازیں ہمہ سال ہم بد بست و سہ کم
(قلمی نسخہ)

یہ ۱۸۶۰ء کی بات ہے عزیز اللہ کی قبر مسجد کے ساتھ تھی جو اب احاطہ میں کر دی گئی ہے جس پر راقم الحروف کی کہی ہوئی تاریخ کندہ ہے۔

عزیز اللہ عزیز مصطفٰی بود مقامش زیرِ سدرِ منتہا بود
ز گنجِ غیبِ او مسجد بنا بود بجودش چشمہ آبِ صفا بود
عزیز اللہ قریشی ، عرف میرے زِ فاروقِ معظم ، مجتبیٰ بود
چو سال رحلتش جستم اے کعبی ندا آمد "او تنویر خدا بود"

۱۲۹۰ھ

عطاء اللہ علیہ الرحمتہ کے پسرِ عزیز فضل الدین علیہ الرحمتہ، چانگانوالی میں مقیم رہے۔ فضل الدین علیہ الرحمتہ کے تین بیٹے تھے بڑے احمد دین علیہ الرحمتہ، راقم کے دادا نہایت مستجاب الدعوات اور درویش صفت، جن کی کرامات سے آج بھی بزرگ خواتین و حضرات جو زندہ ہوں شناسا ہیں اور وہ اقبال کے اس شعر کے مصداق

"جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نَفَس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں !"

تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ تقدیر کی طرح تھا۔ بھل پور کسی دور میں، حافظ صاحب بٹالہ شریف والوں کے مریدین میں شامل ہوا کرتا تھا۔ حافظ صاحب ایک خدا رسیدہ ولی اللہ تھے۔ ایک شخص ان کا مرید ہوا، حافظ صاحب کی توجہ سے اس کے دل میں نورانیت کی ایک جھلک نمودار ہوئی مگر اس کا قلب اس کو برداشت نہ کر سکا اور وہ فقیرانہ لباس پہن، دربدر کی بھیک مانگنے لگا۔ وہ قضا کا مارا اس طرف بھی آ نکلا، اس کی صدا ہوتی تھی "بابا بگی بلی" ۔ ادھر سے دادا جان نے آواز دی "جس کی ہے وہ لے جائے گا"، چنانچہ اس کی نورانیت سلب ہو گئی اور وہ اپنی حالتِ سابقہ پر آ گیا۔ تمام عمر محنت مزدوری سے سامانِ شکم فراہم کرتے رہے۔ ۱۳۵۴ء میں وفات پائی۔

فضل الدین علیہ الرحمتہ کے چھوٹے بیٹے مفتی عبدالعزیز علیہ الرحمتہ (مزنگ) بڑے جید عالم اور صاحب تصنیف و تالیف شخصیت تھے۔ محترم محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے غیر مصدقہ اور غلط لکھ دیا ہے کہ "مفتی صاحب مولینا فضل میراں کے قابل فخر شاگرد اور داماد تھے" ۔ (تذکرہ اکابر اہل

سنت پاکستان،۱۹۷۶) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شادی اپنے چچا علم الدین کی بیٹی "عمر بی بی" سے ہوئی تھی مولوی فضل میراں کی چار بیٹیاں تھیں جن کے اسماگرامی اس طرح سے ہیں

۱۔ حمیدہ بی بی زوجہ صوبیدار احمد دین — صبور شریف

۲۔ رشیدہ بی بی زوجہ بشیر احمد — بھگوال

۳۔ زبیدہ بی بی زوجہ منشی نذیر احمد — رلمکے

۴۔ سعیدہ بی بی — رلمکے

ان کی کسی بیٹی کی، مفتی صاحب سے شادی نہیں ہوئی اور اس غلطی کا اعادہ ایک اور محقق نے "گجرات کی بات" میں کر دیا۔ فضل الدین کی تاریخ وفات مولوی محمد سلام اللہ شائق ساکن چک عمر ضلع گجرات نے یوں کہی ہے۔

ہائے ہائے جنابِ فضل الدین نیک خو ، نیکنام ، پاک سرشت
یکم صفر چار شنبہ و ظہر شد ز دنیائے دوں بدارِ بہشت
سالِ تاریخ رحلتش ، شائق "از جہاں شد جنابِ فضل" نوشت
۱۳۳۷ھ (سیرت النبیؐ مفتی عبدالعزیز)

جناب احمد دین کے بیٹوں میں محمد عظیم، عظیم انسان تھے۔ انہوں نے نہایت عسرت و تنگدستی میں بھی حصول علم کے لئے اپنی مساعی کو جاری رکھا اور بالآخر علم و فضل کے جواہر سمیٹنے میں کامیاب ہوئے۔ مشہور بات ہے العلم علمان، علم الادیان و علم الابدان۔ علم دو ہیں، علم دین اور علم بدن۔ والد گرامی نے دونوں علم اپنی ذات میں جمع کر لئے تھے۔ عربی اور فارسی زبان و ادب پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ انہوں نے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد سے اپنی درسی کتابوں کا آغاز کیا تھا۔ یہاں چند سال تعلیم میں صرف کئے مگر آخری کتب کی تحصیل کے دوران اساتذہ سے اختلافی مسائل پر اختلاف رونما ہو گئے اور ابوالبرکات سید احمد الوری علیہ الرحمتہ کے حلقہ تلمذ میں آ گئے اور ان سے درس حدیث اخذ کیا۔ علم کی تشنگی بریلی اور رام پور تک لے گئی۔

قوت ارادی اور مستقل مزاجی خصوصاً حصول علم کے لئے مشقت برداشت کرنے میں مشاہیر کی نظیر تھے۔ بہت سے علوم ظاہری و باطنی پر دسترس تھی، یہاں تک کہ علم اکسیر بھی ان کی رسائی میں تھا مگر قناعت اور غنا نے کبھی حرص و ہوس کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ بڑے تجربہ کار اور حاذق طبیب تھے۔ تشخیص و تجویز میں ماہر تھے۔ بڑے پیچیدہ اور مزمن امراض کا شافی علاج فرمایا تھا۔ یہ سب کچھ ہوتے

ہوئے بھی پیسہ بنانا نہ جانتے تھے۔ وہ اس سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ آغاز شباب میں عملیات کی طرف راغب تھے۔ جوانی کے عالم میں بڑے بڑے چلے کاٹے تھے مؤکلات کے ساتھ، جس پر ان کی بیاض اور زیر عمل کتب شاہد ہیں۔

بالآخر اس طریق کو ترک کیا اور راہ راست، "وصول الی اللہ" کی طرف آ گئے، طالب علمی کے دور میں پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے تھے مگر اس کو ان کے والد مکرم نے قبول نہ کیا اور انہیں حضرت سیدی کرم الٰہی (کانواں والی سرکار قدس سرہ) کے حضور پیش ہونے کا حکم دیا اور وہاں سے ہی انہیں فیضان لدنی حاصل ہوا۔ اویسی طریق میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مستنیر تھے۔ تمام عمر عشق رسالت کو ہی اپنا مقصود قلب و نظر بنائے رکھا۔ ہم ان کی کم گوئی اور ان کے جلالی مزاج کے باعث ان کی قربت سے صحیح طور پر مستفید نہ ہو سکے۔ جس میں ہماری اپنی کوتاہیاں شامل ہیں، جو عہد نو کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چل پڑے۔۔۔۔ میری پوری زندگی کا وہ سال یادگار ہے جو میں نے ان کے پیچھے پابندی سے نماز ادا کی اور روحانی لذتوں سے بہرہ یاب ہوتا رہا، لیکن زندگی اور اس کے بدلے انداز کا ستیاناس ہو، جس نے وہ دور مجھ سے چھین لیا۔ آج جب علم و ادب سے کچھ شُدبُد ہوئی ہے تو ان کی تقریر و تحریر کے ہیولے قلب و ذہن پر ایک برق خاطف کی طرح کوند جاتے ہیں اور اس کوہ پیکر انسان کا شمہ بھر عرفان ہوتا ہے، جو اتنی عظمت کا حامل ہوتے ہوئے بھی قناعت و متانت اور صبر و سکوت سے اس "سجن المومن" میں مقیم و مکین رہا اور اسی شان و عظمت سے اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملا۔۔۔۔ اور آج جب علمی مسائل گھیر لیتے ہیں تو بے ساختہ ان کی یاد آتی ہے۔ "خورشید رُشد" "تاریخِ پیدائش"، "ریاضِ شریعت"، "اخترِ معرفت" وغیرہ تاریخ وفات۔ سید عارف محمود مجور رضوی نے قطعہ تاریخ کہا

چل دیے آہ چھوڑ کر دنیا آج اک عاشقِ رسولِ ﷺ انام !!
کہیئے مجور سالِ رحلت پر تھے "محمد عظیم والا کِرام"
۱۴۱۱ھ

والدہ پاکیزہ سرشت و پاک طینت خاتون، جس نے اپنے آخری ہوش و حواس تک نماز کی پابندی کی اور اوراد و وظائف خصوصاً درود شریف، ان کا معمول تھا۔ حُب رسولِ خیر الانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان کی زندگی تھی اور بیسیوں بار زیارتِ سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہوئیں۔ خاندانی اسرار و رموز کا گنجینہ تھیں اور انہی کے ساتھ یہ سب کچھ مدفون ہو گیا۔ خاندانی، علمی و دینی ریاست

والدین پر منتہی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ روحانیات کا یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

والد اور والدہ نے ایک ہی سال میں انتقال فرمایا اور دونوں کی تاریخ وفات

اولئک علیہم صلوۃ من ربہم، اولئک ہم لمھتدون ۱۹۹۱ء

ہے۔ کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اولاد سے والدین کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مگر کبھی کبھی یہ اندازہ غلط بھی ہو جاتا ہے بقول شیخ سعدی؂

پسرِ نوح با بداں بہ نشست خاندان نبوتش گم کرد

اور ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے خاندانی عصمت و عفت و ناموس کو بٹہ لگایا۔ اس لئے ہمیں دیکھ کر ہمارے آباء سے بدگمان نہ ہو۔

۱۹۴۶ء کا دور تحریک پاکستان کی کامیابیوں کا زریں دور، جب میں نے اس دنیائے ناپائیدار میں قدم رکھا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا۔ والد گرامی نے اس دور میں اپنے علاقہ میں مسلم لیگ کے لئے دن رات کام کیا اور جو احکامات ہائی کمان کے وہاں تک پہنچتے تھے ان پر عمل درآمد کراتے تھے اس لئے کہ اس دور میں خواندہ حضرات میں یہی اس طرف تھے۔ بہرکیف پرائمری تک بہل پور پڑھا اور اس دوران زیادہ تر والد صاحب ہی پڑھاتے رہے گھر پر بھی اور اسکول میں جا کر بھی کبھی کبھی کلاس کو درس دیتے تھے اس لئے کہ اساتذہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہیڈ ماسٹر ان کے شاگرد تھے۔ چھٹی، ساتویں، آٹھویں کلاس مڈل اسکول للکھنوال سے پاس کی۔ نویں میں اسلامیہ سکول جلالپور جٹاں جواب نمبر 1 ہے میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۲ء میں میٹرک یہیں سے پاس کیا۔ اس کے بعد گھریلو حالات تو پہلے بھی اس قابل نہ تھے مگر والدہ کی محنت و محبت نے ہمیں اس کنارے تک پہنچا دیا۔ اب مختلف ملازمتیں، مختلف شہر اور ویرانے ہمارا مقدر تھا۔ جس کو ہم ہزار کوشش کے باوجود نہ بدل سکے۔ ۱۹۶۹ء میں پھر زمانے نے کروٹ بدلی اور تعلیم کی راہ پر ڈال دیا۔ ایف اے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں بی اے کیا اور بی ایڈ کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں دور سنسان جنگلوں کے اس پار، دریائے جہلم سے ادھر، ملازمت کا آغاز ہوا اور عجیب تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ اہل علم و فضل کے بارے میں جو تصورات تھے وہ سب کے سب بھسم ہو کر رہ گئے اور بعد میں تلخ تجربات سے واسطہ پڑتا رہا جو آج تک بدستور جاری ہے۔ ۱۹۷۶ء میں ایم اے کر لیا مگر میری قناعت پسند طبیعت نے ادھر ادھر کا سوچنا ہی گوارا نہ کیا۔ ۱۹۸۴ء میں بطور لیکچرار منڈی بہاؤالدین سے ابتداء ہوئی اور اکتوبر ۱۹۸۶ء سے زمیندار کالج گجرات ہے اور ہم ہیں۔۔۔۔۔۔ آئندہ کا حال خدا بہتر جانتا ہے۔

میری علمی وادبی صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں میری محبتوں، ناکامیوں اور دوستوں کی عیاریوں کا اور ان کے استحصالی رویے کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے میم کو نون سے واسطہ رہا اور نون سبھی Nihilist نکلے اور آج مملکتِ حیات ایوان مدائن کا سنسان ویرانہ ہے۔ اس کے باوصف دوسروں کو ہر لمحہ زندگی کی لطافتیں بخشنے میں کوشاں۔ خدا کرے کہ میرے وطن کے حسین چراغ یونہی روشن رہیں، نیلم آنکھوں میں ہمیشہ تابانی رہے اور یاقوت ہونٹوں پر تبسم کھیلتا رہے۔

میری ذات مجموعہ اضداد ہے۔

زندگی سے نفرت بھی
زندگی سے پیار بھی
پیار کی تمنا بھی
پیار سے گریزاں بھی

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میں کیا ہوں، ایک پرانے ماحول کا، رجعت پسند مسلمان، جو سختی سے اپنے اعتقادات کہن سے چمٹا ہوا، جو کسی صورت اپنے عقائد سے سرِمو انحراف نہیں کرسکتا، معاشرتی طور پر ایک ایسے نظام کا خواہش مند جو منظم معاشرے کا تصور دیتا ہو، جس سے سماج میں ایک تنظیم پیدا ہو، حسن کا متلاشی، عشق کا جویا، یہ حسن و عشق مجازی ہو یا حقیقی۔۔۔۔ یہی میری زندگی ہے یہی میری شاعری کے موضوعات۔ میری حمد، نعت، غزل اسی سے جنم لیتی ہے۔

سوزشِ باطن کے تھے احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ تھا

منیر الحق کعبی
گجرات
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۱۶

☆ "سلامِ رضا" ایک عظیم فن پارہ ہے جس میں جلال و جمال اپنے حسین ترین امتزاج کے ساتھ ارفع ترین صورت میں موجود ہے۔ پورے کا پورا قصیدہ ایک فنی وحدت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے سر تا سر انتخاب، کسی ایک شعر کو، کسی شعر کے ایک لفظ کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، الفاظ و معانی میں ارتباط کی ایک خوبصورت مثال، تشبیہات و استعارات سے جو امیجری تخلیق کی گئی ہے طبیعیات سے، مابعد الطبیعیات تک دونوں کو محیط ہے۔ مجرد تصورات کی تجسیمی صورت گری بھی ہے اور جو پیکر تراشے گئے ہیں، متحرک اور جاندار بھی ہیں۔

☆ "سلامِ رضا" کا ایک ایک شعر تغزل کی جان ہے۔ لطافت کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ثقیل لفظ جو گرانی کا احساس پیدا کرے استعمال نہیں ہوا۔ قصیدہ کا دامن تنافر اور غرابتِ الفاظ کے عیوب سے پاک ہے۔ اس کی فضامیں ایک پاکیزہ سرمستی ہے، خود سپردگی کا احساس ہے، نفاست و نزاکت ہے، سوز و گداز سے مملو ایک غنائیت ہے، اہم تر یہ کہ شاعر کا داخلی جذبہ، تخیل کے اشتراک سے اظہار پاتا ہے جو Lyrical Poetry کا امتیازی وصف ہے اسی بنا پر پورے سلام میں وہ موسیقیت ہے کہ آج تک اس کی ترنم آفریں فضا قلب و روح کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، مگر اس کی ندرتِ فکر، معنی آفرینی، رفعتِ موضوع، تحیر فزا تراکیب، پر شکوہ اسلوب پر منطقی استدلالیت اس کو Odes کا ملبوس عطا کرتی ہے جو Lyrics کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

☆ "سلامِ رضا" میں خامہ رضا ابلقِ الفاظ و تراکیب پر سوار ندرتِ فکر اور جدت مضامین کے اقالیم اپنی قلمرو میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ تشبیہات و استعارات کے لشکر اس کے آگے دست بستہ استادہ رہتے ہیں اور ایک پر شکوہ اسلوب ظہور میں آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغلق یا مبتذل الفاظ سے فضا کو بوجھل بنا دیا گیا ہے ایک ایک مصرع سے فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی ٹپک رہی ہے۔ سادگی، خلوص اور جوشِ بیان نکھر کر سامنے آ رہا ہے اور ان سب کے پیچھے شاعر کی علمی وجاہت، یقین کی پختگی، جذبہ محبت کی شدت اور ایمانی صداقت کام کر رہی ہے۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مجموعہ نعت "حدایقِ بخشش" اُردو نعت کے سلسلہ میں ایک عظیم کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں وہ تمام جواہر موجود ہیں جن سے ترکیب پا کر کوئی کتاب (یا شاعر، اس حوالہ سے) کلاسیک کا مقام حاصل کر پاتا ہے۔ افکار میں معنوی بلندی، مضامین میں تنوع، فن پر مکمل گرفت، اسلوب میں تمکنت اور وقار، تاریخی، تہذیبی، اور عصری شعور، سبھی دھارے، اس دریائے بے کنار کا حصہ بنتے نظر آتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ بصارت و بصیرت پر سے تعصب و عناد کے پیدا کردہ حجابات اُٹھا دیے جائیں اور بے لاگ اور دِقتِ نگاہ سے کام لے کر مطالعہ کیا جائے .... ■

پروفیسر منیر الحق کعبی بہل پوری